موجود ہے اس لیے ہمیں یہ کوئی مذہبی شاعری محسوس نہیں ہوتی۔ اصل میں کمالِ فن ہونا بڑا ضروری ہے۔ جیسے کسی نے کہا تھا، لینن وغیرہ نے، ماؤ نے بھی کچھ یہی کہا تھا کہ "صرف کسی چیز کا صحیح ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا صحیح انداز سے پیش کرنا بھی بہت ضروری ہے"۔

آپ فن پر کے بغیر عبور حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی آپ اس حقیقت سے بے نیاز رہ سکتے ہیں۔ یہ کافی نہیں ہے کہ کوئی حقیقت پیش کر رہے ہیں۔ بھونڈے انداز سے یا کھردرے طریقے سے؛ اسے مؤثر اور مکمل ہونے کے لیے بہترین Artistic انداز سے پیش کیا جانا بہت ضروری ہے۔ دونوں کا Fusion ہونا چاہیئے۔ حقیقت کا بھی اور تکمیلِ فن کا بھی ——— لینن کا ایک فقرہ ہے:

O, People of action Dream!

خواب دیکھو! خواب میں imagination یا تخیل ہمارا حرکت کرتا ہے۔ خواب دیکھنے بڑے ضروری ہوتے ہیں۔ ہاں! imagination حقیقت پسندی اور دونوں کو آمیز کرتا۔ کچھ ہواؤں میں اڑتا کچھ نادیدہ خواب دیکھنا ——— یہ سب بڑا ضروری ہے۔ یہ ہمارے اندر تخلیقی شعور اور ہماری شخصیت کو پرِ پرواز عطا کرتے ہیں۔ گوئٹے نے بھی یہی نکتہ کچھ مختلف پیرائے میں بیان کیا ہے:

O, People of dreams Act!

ہر شخص اپنے خواب کی تکمیل چاہتا ہے۔ آدمی Supplementary self تلاش کرتا ہے۔ گوئٹے کہتا ہے: عمل کرو۔ اے خواب دیکھنے والو! عمل کرو! اور لینن کہتا ہے کہ اے عمل کرنے والو خواب دیکھو! کہ یہ خواب اور حقیقت دونوں ضروری ہیں۔ یہ محرکات ہیں جو تحریک دیتے ہیں ہم کو۔ ہاں! خواب آسا تحیر جو ہوتا ہے وہ ہے ہمیں۔

س۔ عام گفتگو سے ذرا ہٹ کر سوال کروں گا کہ آپ اتنی مصروفیات میں بھی اپنے مطالعہ کے لیے وقت کیسے نکال لیتے ہیں؟

ج۔ دفتر کے بعد بس یہی کام کرتا ہوں۔ سوشل لائف ہیں اور تو میرا کوئی مشغلہ ہے نہیں!

س۔ کسی Game وغیرہ سے دلچسپی؟

ج۔ بس ورزش کرتا ہوں صبح۔ ایک گھنٹے کے لیے دوڑتا ہوں۔ تھوڑا یوگا کرتا ہوں۔ کھیل کا شوق کبھی نہیں رہا اور نہ مجھے کوئی کھیل آتی ہے۔ ٹینس ایک دفعہ کھیلنے کی کوشش کی تھی، اس میں وقت زیادہ لگتا ہے اور پھر چونکہ میری زندگی کے ڈھب سے یہ مختلف چیزیں ہیں۔ اس لیے چند دن کھیلنے کے بعد چھوڑ دیا۔

———— جب انسان کا کوئی نصب العین ہو یا دل میں کوئی لگن یا کوئی جذبہ کارفرما ہو تو اس کے لیے کچھ قربانی بھی دینا پڑتی ہے۔ اپنے آپ کو پابند کرنا پڑتا ہے۔ ہیں! اپنے بنائے ہوئے قید خانے میں خود کو قید کرنا پڑتا ہے۔ زندانی جسے کہتے ہیں، اپنا زندانی ہونا پڑتا ہے۔ ویسے ہم کھلا چھوڑ دیں اپنے آپ کو تو بات تو کوئی نہ ہوئی نا! انسانی طبیعت بڑی گریزپا ہے ———— جسے کہتے ہیں ————

دیکھیے! نا سمجھ بچہ سکول سے بھاگتا ہے۔ ایسے ہی ہماری طبیعت مشقت سے بھاگتی ہے۔ کام سے، محنت سے، ڈسپلن سے ہماری طبیعت ہمیشہ بھاگتی ہے۔ طالب علم ذرا زیادہ اس چیز کو سمجھتے ہوں گے ———— کوئی مشقت کا کام ہو تو طبیعت نہیں چاہتی کرنے کو، امتحان وغیرہ کے لیے پڑھائی درکار ہو تو بڑا بار محسوس ہوتا ہے۔ نصاب سے بھاگتے ہیں۔ نصاب کے علاوہ سب چیزیں پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ جس کی پابندی ہو، آدمی کی طبیعت اس سے بغاوت کرتی ہے۔ ہمارے اندر ایک چیز ہے ———— ہماری طبیعت آزادی چاہتی ہے۔ ہم پابندی کو توڑنا چاہتے ہیں۔ قانون کو توڑنا چاہتے ہیں۔ قانون یا کسی بھی پابندی کو توڑنے میں الگ ایک مزہ ہے۔ جیسے گناہ کا مزہ ہوتا ہے۔ گناہ کیا ہے؟ یہی نا کہ خدا کہتا ہے یہ کرو۔ ہم کہتے ہیں نا۔ ہم اس کے خلاف کرنا چاہتے ہیں۔ اس بغاوت میں ایک اپنا مزہ ہے۔ ایک طرح سے Bravery کا احساس ہوتا ہے کہ ہم نے قانون توڑ دیا۔ ہم نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ ہمارے اندر گویا ایک باغی بیٹھا ہوا ہے۔ یہ کافر جو بیٹھا ہوا ہے اس کو غذا ملتی ہے ایسے۔ وہ اپنی تسکین چاہتا ہے نا! شیطان تسکین چاہتا ہے قانون توڑ کر!

جیسے میں نے کہا کہ اپنی طبیعت کو کھلا چھوڑ دیں تو طبیعت ہماری گپ شپ کو چاہے گی۔ دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں بھی بڑا نشہ ہوتا ہے۔ نشئی فقیروں کے جیسے تکیے ہوتے ہیں بھنگ کھوٹ رہے ہیں حقے گرم ہو رہے ہیں . . . . !

اس میں اپنا ایک نشہ ہے۔ اسی طرح گپ شپ Gossip میں بڑا نشہ ہے۔ ایک دفعہ آدمی اس میں پڑ جائے تو پھر نکلنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ———— بڑا Glamour ہے اس چیز کا Glitter ہے اور بڑی کشش ہے اس چیز میں۔ اس سے روکنا پڑتا ہے طبیعت کو۔ آپ اس میں ایک دفعہ بہہ جائیں تو پھر رکنا مشکل ہے صلاحیتیں آپ کی قطرہ قطرہ اس میں بہہ جاتی ہیں ———— مثال کے طور پر پانی ہے۔ آپ اس سے سٹیم یا اس کا پریشر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اس پر ڈھکنا لگا دیں گے اور اس کو بند کریں گے تو پریشر پیدا ہوگا۔ اگر ذرا کھول دیں تو Dilute ہو جائے گا اور طاقت پیدا نہیں ہو گی اس میں۔ یعنی جب تک اس کو Seal نہ کریں گے مطلوبہ طاقت پیدا نہیں ہو گی جہاں Outlet ملے گا۔ پانی بہہ جائے گا ———— اسی طرح اپنے جذبات اور مشاغل کو Force کرنا پڑتا ہے۔ ہیں! طبیعت

کو کسی ضابطے میں ڈھالنا اور اس میں discipline پیدا کرنا بڑا مشکل ہے۔ آدمی کی طبیعت بڑی بھاگتی ہے اس سے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم وہ کام کریں جس میں لذت ہو۔ آسودگی ہو!

مگر ان تمام چیزوں سے شاعر کو محروم ہونا پڑتا ہے رضاکارانہ طور پر۔ ہیں! ہیں!! یہ تو Renunciation ہے۔ ترک ہے ایک لحاظ سے۔ جس حد تک کر سکے آدمی اس چیز کو دنیا کے اندر ہوئے۔ میرا کام سب کے سامنے ہے۔ پتہ نہیں اچھا کیا! یا کیا کیا ہم نے —— بہرحال اس کے علاوہ ہم کچھ کرنا نہیں چاہتے!

س۔ پھر تو یہ سمجھا جائے کہ شاعری ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے!

ج۔ بالکل! ہماری زندگی میں تو کچھ اور ہے ہی نہیں۔ میرا خیال ہے اس کے بدلے میں مَیں کوئی اور چیز نہیں چاہوں گی۔ دنیا کی بادشاہت بھی دے دے کوئی اور کہے کہ شاعری چھوڑ دو تو مجھ سے یہ ہرگز نہ ہو سکے گا——! شاعری چھوڑ کے تو میری ہر چیز بیکار ہو جاتی ہے۔ ہوں! ہر چیز بے کار ہو جاتی ہے۔

س۔ اپنے سفر —— اپنے فن اور شاعری سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج۔ میں تو نہیں مطمئن! اس میں اطمینان کا مطلب میں نہیں سمجھتا۔ اطمینان کا، تکمیل کا احساس ہی نہیں پایا جاتا۔ مجھے تو کم از کم نہیں ہوتا ——

دو ایک ہفتے ہوئے، مشرق میں انتظار حسین نے انٹرویو ہمارا دیا تھا۔ انھوں نے بھی مجھ سے یہ سوال کیا تھا، میں نے کہا تھا کہ آدمی Plan تیار کرتا ہے مکان اس کے بعد بنتا ہے —— مجھے احساس یہ ہوتا ہے کہ میں نے شاید ابھی تیار کیا ہو۔ میرا اپنا ذاتی سا یہ احساس ہے۔ ورنہ مجھے تو محسوس نہیں ہوتا کہ میں نے یہ کام کیا ہے اور کر رہا ہوں۔ مجھے احساس نہیں ہوتا۔ ہوں! ہوں!

کام کرنا چاہتا ہوں یہ خواہش ہے۔ ہوں! اور یہ دعا بھی ہے اور خواہش بھی ——

—— یہ نہیں کہ کہنے کے لیے یہ بات کر رہا ہوں۔ میرا جذبہ باطنی احساس ہے۔ بس کام کرنے کا جذبہ ہے اور دعا ہے کہ خدا توفیق دے۔ کہا تھا کسی نے کہ خدا ہم سے کام لے' یہ اس کا احسان ہے۔ [۵]

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی،
منت شناس زو کہ بخدمت گزاشتت!

(قدرے زور دیتے ہوئے) یہ خدا پر احسان نہ سمجھو کہ ہم اس کا کام کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ خدا کا احسان مانا جائے کہ اس نے چن لیا ہے تمھیں اس کا کام کرنے کے لیے —— جیسے پیغمبر ہوتے ہیں۔ پیغمبر ساری عمر اس کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ بارِ رسالت جو ہے۔ اس کو اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں —— دیکھیے! فن

بھی خدا کی دین ہے۔ یہ اُس کا چناؤ ہے۔ وہ کسی کو بھی چن سکتا ہے۔ یہ کوئی کسبی چیز تو ہے نہیں۔ یہ تو وہبی چیز ہے۔ جسے خدا خود عطا کرتا ہے۔ پہلے سے تو کسی نے اس چیز کے لیے استحقاق پیدا نہیں کیا ہوتا۔ وہ تو آپ کو توفیق دیتا ہے۔ یہ بھی اُس کی عنایت ہے۔ کرم ہے۔ ہیں!

خدا بعض اوقات طبیعت میں Compulsion پیدا کر دیتا ہے۔ آپ دوسری طرف چلنا بھی چاہیں تو نہیں چل سکتے۔ حالانکہ اور بہت سے options ہوتے ہیں لوگوں کے لیے لیکن نہیں۔ اندر سے جبر پیدا ہوتا ہے۔ وہ جیسے ہوتا ہے نا! تسلیم و رضا — آدمی کی مرضی، اُس کی مرضی سے مل جاتی ہے۔ ہیں! ہیں! ہیں!! ہوتی تو اُس کی مشیّت ہے لیکن ہماری رضا اور اُس کی رضا دونوں چیزیں مل جاتی ہیں۔ راضی برضا جسے ہم کہتے ہیں۔ آپ کو اس میں پھر جبر کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ اختیار کی منزل ہوتی ہے۔ ہوتا جبر ہے لیکن ہمارے لیے اختیار بن جاتا ہے — ہیں! یہ کیفیت ہوتی ہے اس میں۔

س۔ نئی نسل کے لیے آپ کے پاس کیا پیغام ہے؟

ج۔ دیکھیے! زندگی حرکت کا نام ہے۔ زندگی، روشنی اور اُمید کا نام ہے اور موت — مایوسی و نا اُمیدی کا نام ہے ہمیں اپنے اپنے Field میں اپنے تئیں کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اپنے چراغ سے اندھیروں کو دُور کرنا چاہیے۔ — یہ نہ سوچیں کہ آج کی ظلمت کو دُور کرنا ہمارے بس کی بات نہیں؛ اپنی ذات اور خلاقانہ مساعی کے چراغ روشن کیجیے۔ اگرچہ اس راہ میں قدم قدم پر آپ مایوسی کا شکار ہوں گے مگر بے نیاز ہو کر کام کرتے جائیں — ہوں! کائنات میں تین چیزوں کی کمی ہے۔ امن۔ خوشی اور محبت۔ دنیا میں منفیت زیادہ ہے۔ لیکن یہ نہ بھولیے کہ اصل چیز "اثبات" ہے۔ ہمارا رویہ مثبت اور تعمیری ہونا چاہیے۔ بڑھنے اور بڑھانے والا ہونا چاہیے — نا اُمیدی، موت کا ہراول دستہ ہے۔ اور یہی دنیا میں منفیت اور بے عملی پھیلاتا ہے۔ جس حد تک ہو سکے اپنی طاقتوں کو، اپنی صلاحیتوں کو جلا بخشیں — ہمیشہ بے عمل انسان ہی مایوسی کا شکار ہوتا ہے۔ باعمل انسان کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ اپنی صلاحیتوں کو اپنے عمل سے جلا بخشیے۔ — !

بس یہی میرا اور میری تخلیقات کا پیغام ہے۔

س۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے ہمیں کچھ وقت دیا اور ملاقات کا شرف بخشا۔ اس عزت افزائی کے لیے ہم تہِ دل سے آپ کے ممنون ہیں۔

ج۔ آپ حضرات کا بھی بہت بہت شکریہ!

کتاب اور صاحبِ کتاب

منفرد شاعر عبدالعزیز خالد سے جنگ کے گیارہ سوال۔

سوال :۔ آپ کو لکھنے کا شوق کیوں اور کب ہوا؟

جواب :۔ ہوش سنبھالتے ہی لکھنے کا جن سر پر سوار ہوگیا شاید وہ اسی تاک میں تھا کہ کب ہم آنکھیں کھولیں اور وہ ہم پر قابض ہو

اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

کیوں کا جواب تو مشیت ہی دے سکتی ہے جو ہمیں ڈھالتی ہے ایسے سانچے میں ہے جس سے ہماری یکتائی کا رنگ ابھرے ہماری انفرادیت کا جوہر نکھرے۔ تازہ کاری مشیت کی شان ہے تخلیق و تجلی میں تکرار نہیں ہے تو ہماری نگاہوں کا دھوکا ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ شاعر بنتا نہیں پیدا ہوتا ہے۔ الشعراء تلامیذ الرحمان کا مطلب بھی غالباً یہی ہے۔

سوال :۔ آپ زیادہ تر کس صنفِ ادب میں لکھتے ہیں؟

جواب :۔ شعر۔

سوال :۔ آپ کی پہلی تحریر کہاں چھپی؟

جواب :۔ اسلامیہ کالج لاہور کے میگزین کریسنٹ میں، سہ روزہ اخبار "کوثر" میں جسے مولانا نصر اللہ خان عزیز نکالتے تھے۔ اور پندرہ روزہ پرچے "احساس" میں جسے انور جلال شمزہ اور عباس احمد عباسی مرتب کرتے تھے :

سوال :۔ آپ کی پہلی کتاب کب اور کیسے چھپی؟

جواب :۔ "زرد اغ دل"، منظوم تمثیلوں کا مجموعہ ۱۹۵۵ء میں کراچی میں . . . . . مکتبہ شعور کی طرف سے شائع ہوا۔ کتاب بعد میں میں نے منسوخ کردی اس کی منظوم تمثیلوں کو اضافہ کے بعد دوسرے ڈرامائی مجموعوں "برگِ خزاں" "دوکانِ شیشہ گر" اور "ورقِ ناخواندہ"

میں شامل کر لیا۔ اب اس نام سے میری نئی نظموں کا مجموعہ آنے والا ہے۔

سوال :۔ پہلی کتاب چھپنے پر آپ کا اور آپ کے احباب کا ردِ عمل کیا تھا؟

جواب :۔ میرا تو سر خوشی، سرمستی، ور فتح مندی کا تھا احباب کا طنز و تعریض کا کہنے لگے کہ قیمت زیادہ ہے کتاب کی ضخامت کوئی ساڑھے چار سو صفحات کے قریب، چھپائی ٹائپ میں دو رنگ کی، آرزو بی کے نقش و نگار کے ساتھ اور جلد چمڑے کی تھی قیمت دس روپے تھی جس بزرگ ہستی کے نام میں نے اس کا انتساب کیا تھا اس نے بھی فقط یہی کہا کہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ وقار عظیم نے لیل و نہار لاہور میں اس کے خلاف لکھا الطاف گوہر نے کراچی ریڈیو سے مخالفانہ بلکہ معاندانہ تبصرہ کیا صرف عندلیب شادانی، نیاز فتحپوری، صمد شاہین نے بھرپور داد دی۔ ابنِ انشاء اور جون ایلیا کے ساتھ ایک شام مولوی عبدالحق سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے "تمہاری کتاب ہمیشہ سرہانے رہتی ہے واہ واہ تعریف نہیں ہو سکتی۔

سوال :۔ اب تک کتنی کتابیں تخلیق کر چکے ہیں ان کی فہرست؟

جواب :۔ ۲۷۔ فارقلیط، منحمنا، حمطایا، ماذ ماذ، طاب طاب، عہدہ، بوترا، ثانی لاثانی، چراغ لالہ، برگ خزاں، دکان شیشہ گر، ورق ناخواندہ، سلومی، گلِ تغمہ، سرو و رفتہ، غزل الغزلات، پرواز عقاب، غبار شبنم، زنجیرِ رم آہو، لحن صریرِ کلک، موج کف، دریا، دشت شام، حدیث خواب، خروش خم، اقبال عطیہ، مزمورِ میر مغنی، مہابھارت کھتن مالا،

سوال :۔ اس وقت کیا منصوبے پیشِ نظر ہیں؟

جواب :۔ لکھنا اور لکھنا، لکھ رہی ہیں۔ لکھ رہی ہیں انگلیاں۔

سوال :۔ زیرِ ترتیب اور زیرِ طبع کام کی تفصیل؟

جواب :۔ زردِ داغِ دل، ماتم یک شہرِ آرزو، سراب ساحل، صریف قلم، حاط حاط، بادِ شمال، متاعِ بردہ، دانہ ہائے ریختہ، ہلّویاہ، فرقانِ جاوید۔

سوال :۔ کتاب کی تخلیق یا اشاعت کے دوران میں کوئی ایسا تجربہ اور واقعہ جسے آپ بھول نہ پائے ہوں؟

جواب :۔ کوئی ایک بات ہو تو آدمی کہے بھی اس حکایت کے لئے تو ایک دفتر چاہیئے۔

سوال :۔ کیا آپ بطورِ مشغلہ لکھتے ہیں یا مقصد کمرشل ہوتا ہے؟

جواب :۔ بطورِ مشغلہ کہہ لیجئے یا بطورِ مقصدِ حیات، ہماری تو زندگی حرفِ حرف ہے۔ ربّن لفظ ہے گر و فکر ہے شادِ معنی ہے۔ اس کتاب دشمن معاشرے میں تخلیقی ادب کمرشل کیسے بن سکتا ہے؟

سوال :۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کتابوں کی رائلٹی سے لکھاری کا گھر چل سکتا ہے؟

جواب :۔ رائلٹی ملتی کہاں ہے جنہیں ملتی ہے ان سے پوچھیئے۔ ہمیں رائلٹی ملتی ہوتی تو اب تک نوکری کے جھنجھٹ میں کیوں پڑے ہوتے۔ کم سوادوں کی بالادستی کی ذلت کیوں برداشت کر رہے ہوتے۔ آزاد ملکوں کے مصنفوں کی طرح سیر و سیاحت کرتے نگر نگر گھومتے رنگ رنگ کے لوگوں سے ملتے سمندروں جنگلوں پہاڑوں کے دم بدم بدلتے مناظر دیکھتے ستاروں سے درختوں سے موجوں سے ہم کلام ہوتے ہنگامہ ہائے رنگ و بو میں شرکت کرتے۔ مئے ناب و نوشینِ حیات کو تلچھٹ تک نوش کرتے کشادِ دیدہ و دل کا۔ نشاطِ روح کا فروغِ فکر و نظر کا سامان بہم کرتے ذہن کو جِلا دیتے آنکھوں کی روشنی بڑھاتے دل زار کو تازہ بتازہ سوز و ساز سے آشنا کرتے۔ مست شباب نگاران جوان سال کے حسنِ بے حجاب کے مزے لوٹتے زلال لبھائے

میگوں سے تشنگی کام و دہن مٹاتے صبح و شام کسی لائبریری کسی میوزیم کسی حلقۂ دانش و بینش میں گزارتے پڑھتے سوچتے اور لکھتے گھومتے گپ شپ کرتے سرِ راہ کیفوں میں بیٹھتے اور لکھتے اڑن کھٹولوں میں اڑتے۔

کتنے ارمان خواہشیں کتنی
حسرتیں بن کے رہ گئیں خالد!

ادارہ حنا، ڈائجسٹ، لاہور

عید کیسے گزری

١۔ عید منانے کے بعد آپ پر کیا گزری ؟

٢۔ عید کے دن آپ کو سب سے اچھی عیدی کس نے دی ؟

٣۔ عید کے دن کتنے لوگوں سے گلے ملے اور کتنوں سے ملنے کے ارمان دل میں رہ گئے ؟

٤۔ عید کے دن آپ کو سب سے اچھی شخصیت کون سی لگی ؟

٥۔ عید کے دن کوئی خاص مہمان جس کا انتظار ـــــــ انتظار ہی رہا ؟

٦۔ عید کے دن سخت گرمی کے عالم میں آپ کے عید کے جوڑے پر کیا بیتی ؟

٧۔ عیدی مانگنے والوں میں سب سے برا کون لگا اور دینے والوں میں سب سے اچھا کون ؟

٨۔ عید پر آپ نے اپنی ذات پر کیا خرچ کیا ؟

عبد العزیز خالد اُردو ادب کا اہم ستون ہیں۔ شاعری میں اُن کا اپنا ایک اسلوب ہے جس کی بنا پر دوسرے شعراء میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ اُنھوں نے ہمارے سوالوں کے جواب میں کہا:

١۔ وہی گزری جو ہر مرد مسلمان پر گزرتی ہے۔

٢۔ دینے والا ہی نہیں کوئی۔ بُری اچھی کا کیا مذکور ہے !

۳۔ چندے، کچھ جو عیدگہ میں ملے۔
اور کچھ جو مکان پر آئے
رہ گیا جس سے ہم کناری کا
دل میں ارماں، نہیں کوئی ایسا

۴۔ ایقان احمد ـــــ ننھا نواسا
لی جس نے مجھ سے ـــــ عیدی دوبارہ

۵۔ مُنہ تکی ہے کب کی چشمِ نیم بازِ انتظار

۶۔ جو اور دنوں میں ملتی ہے۔

۷۔ مانگنے والی بہو تھی اور بیٹی ـــــ خوش شمائل، ہنس مکھ
نام بیٹی کا عنیزہ ہے، بہو کا لالہ رُخ

۸۔ (کوئی مانے یا نہ مانے) کچھ نہیں۔

عبد العزیز خالدؔ

جاوید امتیازی

جو خدیوِ لفظ و معنی ہے، امامِ فکر وفن
ہے جو اس دورِ زماں کا داورِ شعر و سخن
شاعری سے دیدنی ہے جس کی لو، جس کی لگن

نابغہ ہے وقت کا یہ شاعرِ معجز بیاں
عارفِ خلوت نشیں، مردِ قلندر، ہفت خواں
جس کی زنبیلِ طلسمی ندرتوں کا اک جہاں

گنجِ حکمت سربسر جس کا کلامِ دلنشیں
جس کے سب آفاق و ابعادِ ادب زیرِ نگیں
ارتفاعِ فکر میں جس کا کوئی ثانی نہیں

غالب و اقبال بھی ہے، سعدی و رومی بھی ہے
نعتِ پیغمبرؐ میں جو حسان و بُوصیری بھی ہے
ہمسرِ حافظ بھی ہے ہمپایۂ جامی بھی ہے

حامد یزدانی خالد علیم

کوائف

اصلی نام ———— عبدالعزیز خالد

قلمی نام ———— عبدالعزیز خالد

تاریخ پیدائش ———— ۱۵ر جنوری ۱۹۲۷ء

مقام / ضلع ———— موضع پرجیاں کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر

ملازمت سے پچھلے ماہ سے سبکدوش ہو چکا ہوں بحمداللہ

تعلیم ———— ایم اے

موجودہ پتہ ———— گلبرگ ۳ (انکم ٹیکس کالونی) لاہور

شعری مجموعے

۱۔	فارقلیط	(طبع چہارم)	مئی ۱۹۸۶ء
۲۔	منحمنا	(طبع سوم)	نومبر ۱۹۸۵ء
۳۔	حمطایا	(طبع سوم)	نومبر ۱۹۸۵ء
۴۔	ماذ ماذ	(طبع دوم)	۱۹۸۴ء
۵۔	طاب طاب	(طبع دوم)	۱۹۸۴ء
۶۔	عبدہٗ	(طبع دوم)	نومبر ۱۹۸۵ء
۷۔	ثانیِ لاثانی	(طبع دوم)	نومبر ۱۹۸۵ء
۸۔	بوتُراب		نومبر ۱۹۸۵ء
۹۔	زنجیرِ رم آہو	(بار سوم)	مارچ ۱۹۷۴ء
۱۰۔	سمکِ موج	(بار دوم)	نومبر ۱۹۷۴ء

۱۱- کفِ دریا (بارِ دوم) اپریل ۱۹۷۴ء

۱۲- حدیثِ خواب (بارِ دوم) اگست ۱۹۸۴ء

۱۳- مزمورِ میرِ مغنی (بارِ دوم) جنوری ۱۹۷۶ء

۱۴- خروشِ خُم (بارِ سوم) اگست ۱۹۷۶ء

۱۵- لحنِ صریر (بارِ دوم) نومبر ۱۹۷۶ء

۱۶- دشتِ شام (بارِ دوم) فروری ۱۹۷۵ء

ب۔ ڈرامے

۱۷- برگِ خزاں (بارِ سوم) اکتوبر ۱۹۷۴ء

۱۸- دکانِ شیشہ گر (بارِ سوم) جولائی ۱۹۷۴ء

۱۹- ورقِ ناخواندہ (بارِ دوم) جنوری ۱۹۷۴ء

۲۰- سلومی (بارِ سوم) جولائی ۱۹۷۴ء

ج۔ خالص تراجم

۲۱- غزل الغزلات (بارِ دوم) اپریل ۱۹۷۴ء

۲۲- سروِ رفتہ (بارِ دوم) جولائی ۱۹۷۴ء

۲۳- گلِ نغمہ (بارِ دوم) اگست ۱۹۷۵ء

۲۴- غبارِ شبنم (بارِ سوم) اپریل ۱۹۷۸ء

۲۵- چراغِ لالہ دسمبر ۱۹۸۱ء

۲۶- پروازِ عقاب مئی ۱۹۷۳ء

نثری کتب

۲۷- اقبالِ عطیہ (ترجمہ) مئی ۱۹۷۵ء

۲۸- مہابھارت کتھن مالا (انتخاب) (بارِ دوم) مئی ۱۹۱۶ء

سوالات

۱ــــــــــ آپ کے ادبی سفر کا آغاز کب اور کن حالات میں ہوا ؟

۲ــــــــــ ان دنوں مجموعی ادبی فضا کیا تھی اور آسمانِ سخن پر کون کون سے ستارے زیادہ نمایاں تھے ؟

۳ــــــــــ آپ کی پسندیدہ صنفِ سخن ؟

۴ــــــــــ آپ کے نزدیک شاعری کے لوازمات میں کیا کیا شامل ہے ؟

۵ــــــــــ آپ کے ہاں شعر گوئی کا بنیادی مقصد کیا ہے ؟

۶ــــــــــ آپ اپنے ہم عصر شعراء میں کن کن کو شمار کرتے ہیں اور کن کن سے متاثر ہوئے ؟

۷ــــــــــ آپ کے ہاں شعر گوئی کا بنیادی مقصد کیا ہے ؟

۷ــــــــــ آپ کے ساتھ شعری سفر کا آغاز کرنے والے ساتھیوں میں سے اُس وقت کون ہمارے جانے پہچانے ناموں میں شمار ہوتا ہے ؟

۸ــــــــــ اساتذۂ فن میں سے آپ کس سے متاثر ہوئے یا نہیں ؟

۹ــــــــــ جدید شعراء میں سے آپ کن کن سے بہتر اُمیدیں وابستہ کر سکتے ہیں ؟

۱۰ــــــــــ آپ کے خیال میں جدید عصری ادب فن کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اگر اس میں ہے تو کس حد تک ؟

۱۱ــــــــــ کیا جدید تر شعری رویہ میں آپ نے کوئی بنیادی خوبی یا خامی پائی ؟

۱۲ــــــــــ شاعری عطیۂ خداوندی ہے۔ کیا مطالعہ اور ذاتی مشاہدات سے شعری بلندی اور لطافت کا سامان پیدا ہو سکتا ہے اور کیا عروض کے بغیر بھی فنِ شعر کے تقاضے پورے کیے جا سکتے ہیں ؟

۱۳ــــــــــ آپ نے اپنی شعری لغت میں اضافے کی شعوری کوشش کی یا یہ الفاظ لاشعوری طور پر آپ کی بنیادی لفظیات کا حصہ بن گئے ؟

۱۴۔ ــــــــــ نعت کی روایت آپ کب تک اور کیسے پہنچی ؟

۱۵ ــــــــــ خالد صاحب ! آپ نے اپنے نعتیہ مجموعوں کے ناموں کا انتخاب اُن آسمانی کتب سے کیا ہے جو نزولِ قرآن کے ساتھ ہی منسوخ ہو چکی ہیں اس سلسلے میں "سیارہ" کی حالیہ اشاعت میں ایک اعتراض شائع ہوا ہے ۔ کیا آپ اس وقت اس بارے میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت فرمائیں گے ؟

۱۶ ــــــــــ آپ کے خیال میں ایک معیاری نعت میں کن خصائص کا ہونا ضروری ہے ؟

۱۷ ــــــــــ آپ قدیم نعت گو شعراء میں سے کن کن سے متاثر ہوئے ؟

۱۸ ــــــــــ ہم عصر / جدید نعت گو شعراء میں سے آپ کے خیال میں کون کون سے صحیح نعت گو کہے جاسکتے ہیں ؟

۱۹ ــــــــــ آپ کی نعتیہ شاعری میں عربی اور فارسی الفاظ و محاورات کا وسیع تر استعمال ملتا ہے جس سے عام اُردو دان طبقہ نابلد ہے ۔ کیا اس سے ابلاغ کی کمی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا ؟

۲۰ ــــــــــ آپ کی طویل نعتوں میں قصیدے کا انداز اور شکوہ تو ملتا ہے مگر اس کی ہیئت جو فنِ عروض میں مسلّم ہے وہ نہیں پائی جاتی ۔ کیا ان کو قصیدہ کہا جاسکتا ہے ؟

۲۱ ــــــــــ آپ نے یونان کی شاعرہ سیفو کے نغمے ، ہوچی منہ کی نظموں ، جاپانی نظموں اور ترکستانی شاعر رسول حمزہ کی شاعری کے ترجمے کیے آپ اس جانب کس طرح راغب ہوئے ؟

۲۲ ــــــــــ کیا ترجمہ نگاری کسی فرد کی تخلیقی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتی ہے ۔ اگر ہوتی ہے تو کس طرح سے ؟

۲۳ ــــــــــ کچھ عرصہ قبل "فنون" میں قدیم اساتذۂ فن پر آپ کا ایک طویل تنقیدی مضمون کچھ اور کے نام سے شائع ہوا تھا ، جس سے آپ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے ساتھ ساتھ آپ کی تنقیدی صلاحیتوں کا زوردار پہلو سامنے آیا ۔ کیا اس کے بعد آپ باقاعدہ تنقید لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں ؟

۲۴ ــــــــــ آپ کے نزدیک پاکستانی تنقید نگاروں میں کوئی معتبر نام ؟

۲۵ ــــــــــ تنقید تخلیقی سفر کی راہیں متعین کرنے میں کس حد تک معاون ثابت ہوتی ہے ۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اچھی تنقید کس طرح کسی ادیب کی رہنمائی کر سکتی ہے ؟

۲۶ ــــــــــ آپ کے خیال میں مزاحمتی ادب ، ادبِ عالیہ میں کیا مقام رکھتا ہے ۔ کیا سیاسی

حالات و نظریات کے زیرِ اثر لکھی گئیں تحریریں دیرپا ہو سکتی ہیں اور انھیں اعلیٰ تخلیقی ادب میں کوئی مقام دیا جا سکتا ہے ؟

۲۷ ——— کچھ اُردو غزل کے حال اور مستقبل کے بارے میں تذکرہ ہو جائے ؟

۲۸ ——— آپ نے بے شمار رباعیات بھی لکھیں۔ اس سلسلے میں آپ کی رباعیات کا مجموعہ "لحنِ صریر" شائع ہو چکا ہے جس میں آپ نے رباعی کے مروّجہ چوبیس اوزان کا استعمال شعوری یا لا شعوری طور پر کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب اوزان آپ کے ہاں استعمال ہوئے ہیں یا کسی اور شاعر نے بھی ان سب میں طبع آزمائی کی ہے ؟

۲۹ ——— اُردو شاعری میں رُباعی کا کوئی مستقبل ؟

۳۰ ——— آپ کی روشن خیالی آپ کی راہ میں حائل ہوئی یا آپ کو آگے لے گئی ؟

آپ نے بہت سے منظوم ڈرامے لکھے ہیں جن میں سے غالبًا ایک ڈرامہ (قابیل) ہے تمام ڈرامے انجیل، توریت اور یونانی اساطیر میں سے لی گئی داستانوں میں۔ کیا آپ کے نزدیک اسلامی نقطۂ نظر سے قرآنی قصص پر ڈرامہ لکھنے میں کوئی "شرعی عذر" مانع تھا؟ مثلاً اصحابِ کہف کا قصّہ، ساحرانِ فرعون کی استقامت نیز ان قوموں کے احوال جن پر عذاب نازل ہوئے۔ ان قصوں میں خاصا ڈرامائی عنصر موجود ہے۔ آپ کی توجّہ اس طرح کیوں نہیں گئی ؟

۳۱ ——— آغا حشر مرحوم نے ڈرامے لکھے اور انھیں ہندوستان کا شکسپیئر کہا گیا۔ آپ کے ڈرامے زورِ بیان علم و فن اور ڈرامائی ماحول کی تشکیل کے لحاظ سے ایک خاص مقام کے حامل ہیں مگر اس کے باوجود آپ کو کسی قسم کا کوئی لقب نہیں دیا گیا۔ کیا اس میں کوئی معاصرانہ چشمک یا حسد کی کارفرمائی ہے یا آپ کو کوئی اس قسم کا نقّاد نہیں ملا جو آپ کے کام کو سمجھ کر اس کی قیمت لگاتا ؟

۳۲ ——— آج کل آپ کی کون کون سی کتب اشاعت کے مراحل میں ہیں ؟ دیگر ان کتب کی خصوصیات کے بارے میں کوئی وضاحت ؟

۳۳ ——— آپ نے اپنی ملازمت کی مصروفیات سے خصوصی وقت نکال کر بے شمار کتابیں لکھیں۔ اب جبکہ آپ ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ آپ ہمہ وقت تخلیقی ادب کی طرف توجّہ دے سکتے ہیں۔ کیا آپ کی اس فراغت میں کوئی بڑا علمی و ادبی کام آپ کے پیشِ

نظر ہے ؟

۲۴ ـــــــــ آپ کے اپنے شعری مجموعوں میں سے آپ کا سب سے زیادہ پسندیدہ شعری مجموعہ کون سا ہے جسے آپ شاہکار کا درجہ دے سکتے ہیں ؟

۲۵ ـــــــــ نوجوان شعراء سے آپ کی توقعات ؟ اور ان کے لیے کوئی پیغام ؟

شکریہ !

جوابات

۱ ــــــــــ نہ من امروز شدم عاشق و پیمانہ پرست

از دمِ صبحِ ازل تا بہ قیامت مستم

۱۹۴۱ ۴۲ میں ۔ اس وقت میں اسلامیہ ہائی سکول ننگل انبیا میں ساتویں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔

مچھلی کے جائے کن تیرائے ؟

البتہ آدابِ شاعری کسی حد تک آغا صادق حسین صاحب صادق سے تحصیل کیے

۲ ــــــــــ ہم تو ایک دور اُفتادہ دیہاتی فضا میں سانس لے رہے تھے ۔ یہ اقبال کے وصال کے فوراً بعد کا زمانہ ہے ۔ جس نے حفیظ، جوش، احسان دانش، جگر، اصغر، یگانہ، حسرت، ظفر علی خاں، فیض، راشد، یوسف ظفر، قیوم نظر، رفیق خاور، ساحر، مجاز، جاں نثار اختر، اختر الایمان، کرشن چندر، بیدی، منٹو، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی، امتیاز علی تاج، عبد المجید سالک، غلام رسول مہر، پطرس، تاثیر، چراغ حسن حسرت کو نمایاں کیا۔

۳ ــــــــــ کم و بیش ہر صنفِ سخن

پریم بجاؤ اک چاہیئے بھیس انیک بنائے

چاہے گھر میں باس کرے چاہے بن کو جائے

۴ ــــــــــ علم، تخیل، جذبہ، فکر اور پھر زبان و بیان پر قدرت

در سخن واجب است حُسنِ بیاں

حق ازاں گفت : رَتِّلِ القرآں !

ہے کمالِ شعر کیا ؟

فکر و جذبے کا مکمل امتزاج

حسنِ اسلوبِ بیاں کے ساتھ ساتھ

کیونکہ   بندھ گیا سو موتی رہ گیا سو کنکر

اس کے لیے حیوانی اور نورانی دونوں قسم کی توانائی چاہیئے

جیسے کنول کے لیے پانی کی ضرورت ہے ۔ ویسے ہی سخن کے لیے علم کی ۔ اگرچہ رمز شناسانِ سخن یہ بھی کہتے ہیں ۔

" شاعری کے لیے علم اتنا ضروری نہیں جتنی جذبے کی سچائی لازمی ہے "!

" شاعرانہ فکر تخیلی اور وجدانی ہونی چاہیئے ۔ جس میں اندرونی جذبے کا رس رچا ہوا ہو ۔ بغیر اس کے کلام میں تاثیر اور دلکشی پیدا نہیں ہو سکتی ۔ شعریت تخیلی فکر اور جذبے کی ہم آمیزی کے بغیر ممکن نہیں !"

کاویہ پربھاکر کا سُوتر ہے   رس آتمکیم واکیم کاویم

وہ واک جس کی آتما رس ہو ۔ کاویہ ہے

یعنی جس کلام سے سرور و نشاط ، کیف و انبساط اور مسرت و فرحت حاصل ہو ۔ وہ شعر ہے

رس ہو جس قول و بیاں میں شعر ہے

شاعر کو ارتجال و بدیہہ پر رویت و فکرت کو ترجیح دینی چاہیئے ۔ رمز و کنایہ و ایما و ابہام سے شعر کا حسن چمکتا ہے ۔ مگر ابہام کو ابہام و چیستان نہیں بن جانا چاہیئے ۔

اگرچہ شاعر کو یہ کہنے کا حق دینا چاہیئے

گر عبارت بہ اشارت کنم انشا چہ عجب
تکیہ بر جوہرِ ادراکِ مخاطب دارم

ایک اچھا شاعر ہمیشہ یہی کہتا ہے :

اور کچھ تجھ سے طلب ہم کو نہیں اے آسماں
شعر گوئی کو زمینِ سیر حاصل چاہیئے

سچ ہے

شعر گوئی کے لیے جمعیتِ خاطر ہے شرط
اس مشقت کے لیے مزدور خوش دل چاہیئے

۵ ـــــــ اظہارِ ذات ، عرفانِ حیات ، اصلاحِ کائنات ، ابلاغِ خیالات ، تہذیبِ جذبات ۔

٦ ـــــــ ہر سچے شاعر کو چاہیئے وہ تینوں زمانوں میں سے کسی میں بھی ہو

تُو ہم ز شعر مزن لاف خالدؔ و بشناس
کمالِ غالبؔ و اقبالؔ و میرؔ و رُومیؔ را

جہاں تک اثر پذیری کا تعلق ہے

وہ شاعرِ شہر کے ہر گھاٹ پہ پیتا ہو جو پانی
بچے کس طور خالدؔ لفظ و معنی کے توارد سے؟

۶ ـــــ باقاعدہ اپنے شعری سفر کا آغاز تو میں نے ۱۹۵۲ء میں ساقی کراچی سے کیا

۷ ـــــ کالج (اسلامیہ کالج لاہور) میں مجھ سے دو تین سال سینئر جیلانی کامران، ناصر کاظمی، رضی ترمذی اور اصغر سودائی تھے۔ گورنمنٹ کالج میں اس زمانے میں غالبؔاً شہزاد احمد تھے۔

۸ ـــــ طبعِ حسرت نے اُٹھایا ہر اک اُستاد سے فیض

خندہ از گُل گریہ از ابرِ بہار آموختم
من زہر صاحب دلے یک شمّہ کار آموختم

اور

ہیچگہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نداشت
خوشہ چیں بودم من آنروز یکہ خرمن داشتم

۹ ـــــ اک کہکشاں فن ہے، ہر تارہ جس کا سورج
اپنی کشش ہے جس کی، اپنی چھب، اپنی سج دھج!

۱۰ ـــــ اس وقت بڑا ہمہ گیر، متنوّع، پہلو دار، زندہ و بیدار ادب تخلیق ہو رہا ہے جو ہر اعتبار سے فکر و فن اور حرف و بیان کے تقاضوں پر پُورا اُترتا ہے۔

اے خدا ایں باغ را سرسبز دار
در بہارستانِ بے نقصانِ تو

مگر جیسے ہر مہوس جانتا ہے ایک آنچ کی کسر تو ہمیشہ رہ جاتی ہے۔ فن کی قوّتِ نامیہ ناصبوری اور ناآسودگی میں پوشیدہ ہے

زندہ ہر اک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

۱۱ ـــــ خراباتِ مغاں خالی نشد از آتش آشاماں

نئے شاعر تازہ کار و تازہ خیال ہیں۔ لفظوں کی نئی نئی تشکیلات کر رہے ہیں، نئے استعاروں، نئے

محاوروں سے زبان کے دامن کو وسیع کر رہے ہیں۔ اسے نیا خون، نئی طاقت مہیا کر رہے ہیں۔
نئی شاعری بڑی بہار آفریں، بڑی توانا، بڑی دلکش ہے۔

۱۲ ——— بیشک عطیۂ خداوندی ہے۔ لیکن اسے سنبھالنے کے لیے ریاض کی ضرورت تو ہے۔

دامنِ فکرِ بلند آساں نمی آید بدست
سرو می پیچد بخود تا مصرعے موزوں کند

کوئی فن مسلسل ریاض سے بے نیاز نہیں رہ سکتا

کسوٹی پہ کستے ہیں، دیتے ہیں آنچ
ہر اک چاشنی کی مقرر ہے جانچ

سنو بیدلؔ اہل دل سے کیا کہتا ہے:

دمِ تیغ است بیدلؔ راہِ باریک سخن سنجی
زبانِ خامہ ہم شق دارد زِ حرف آفرینی ہا

۱۳ ——— شعوری و لاشعوری دونوں ریاض کم نہ کیا ہم نے کسبِ فن کے لیے گو دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ طبیعتیں قدرتاً زیادہ اخاذ ہوتی ہیں۔ ان میں وہ مقناطیسی قوت ہوتی ہے جن سے الفاظ و معانی اُڑ کر ان سے چمٹ جاتے ہیں۔

میں تو اوّل و آخر، ظاہر و باطن ایک مردِ عشق پیشہ ہوں
عشق نبرد پیشہ سے متصل مبارز طلب

مجھے شروع سے خوب صورت چہروں سے، خوب صورت اداؤں سے، خوب صورت لفظوں سے، اظہار کے خوب صورت نو بنو پیرایوں سے عشق ہے، میں نے جب بھی، جہاں بھی، جدھر بھی انھیں آنکھ بھر کر دیکھا۔ وہ چشم زدن میں

آنکھوں میں جذب ہو گئے دل میں سما گئے

۱۴ ——— امروز نیست سینۂ ما داغدارِ عشق
چوں لالہ ما ز صبحِ ازل داغ دیدہ ایم

میں نے جس ماحول میں پرورش پائی۔ وہ مذہبی روایات میں رچا بسا تھا۔ اقبالؔ کے شعروں، حفیظؔ کے شاہنامے اور ظفر علی خاں کے "وہ شمع اُجالا جس نے کیا" سے فضا گونج رہی تھی۔
اور پھر قدرتی دولتیں اور فطری مناسبتیں بھی ہوتی ہیں ———

سونے پر سہاگہ وہ لوگ بھی دیکھے جن کے

چہرے صحیفوں کی طرح ، باتیں اذانوں کی طرح

تعلیقیں

۱۵ ——— ان ناموں کے حوالے اور آخذ باقاعدہ ان کتابوں کے آغاز میں درج ہیں۔

ویسے معلوم نہیں یہ تصور کیوں ہمارا جزوِ ایمان بن چکا ہے۔ کہ پہلے آسمانی صحائف منسوخ و مسترد ہو چکے ہیں۔ غالباً ہماری نعتیہ شاعری کا اسے ہوا دینے میں بہت بڑا حصہ ہے جو بہ اصرار اور بہ تکرار حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم کے بارے میں یہ کہتی ہے

بانیِ دینِ مُبین ، ناسخِ ادیان و مِلل

حالانکہ ان کا صحیح مقام یہ ہے

رحمتِ کون و مکاں ، شمعِ سُبُل ، ختمِ رُسُل

قرآن میں ایسا کوئی نص موجود نہیں۔ وہ تو بلکہ ان کی تصدیق و تکمیل کرتا ہے۔ اور انھیں اپنی صداقت کے گواہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ صرف یہ ہے کہ ان کے کچھ حصوں میں تحریف ہو چکی ہے۔ جو قرآن کی روشنی میں صاف پہچانے جا سکتے ہیں۔ محرّف و مغیّر حصوں کو چھوڑ کر توریت، زبور، انجیل کی تعلیم بھی وہی ہے جو ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ بلکہ مہابھارت تک اسی کی جھلک نظر آتی ہے

جسے دیکھ کر بے اختیار یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں

ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

قرآن تو اہلِ کتاب کو زمرۂ اہلِ ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ بات کی وضاحت کے لیے میں قرآن کے چند حوالے عرض کرتا ہوں۔

(سورۂ آلِ عمران آیت ۵۵)

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے فرمایا تھا۔ اے عیسیٰ! میں تیرا وقت پورا کر دوں گا۔ تجھے اپنی طرف اٹھا

لُوں گا۔ تیرے منکروں کی تہمتوں سے تجھے پاک کروں گا اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی ہے۔ انھیں قیامت تک تیرے منکروں پر برتری دُوں گا۔

(مولانا ابوالکلام آزاد ——————— منکروں سے پہلے "تیرے" مولانا کا اضافہ ہے)

مولانا فتح محمد جالندھری اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں

اس وقت خدا نے فرمایا کہ عیسیٰ! میں تمھاری دنیا میں رہنے کی مُدّت پوری کر کے تمھیں اپنی طرف اُٹھا لوں گا۔ اور تمھیں کافروں (کی صُحبت) سے پاک کر دُوں گا۔ اور جو لوگ تمھاری پیروی کریں گے اِن کو کافروں پر قیامت تک (غالب) رکھّوں گا۔

دیکھیں! یہاں تو خدا نصاریٰ کو تاحشر فتح و نُصرت کی بشارت دے رہا ہے

اس سے پہلے سورۂ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

"بیشک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور کام کیے نیک تو ان کے لیے ہے ان کا ثواب ان کے ربّ کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" (البقرہ: ۶۲)

سورۂ المائدہ: ۶۹ میں بھی قریب قریب یہی مضمون ملتا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

یعنی اصل چیز، مومن و کافر میں مابہ الامتیاز ایمان (اقرارِ توحید) اور اعمال صالح ہیں جو اس کسوٹی پر پورا اُترے وہ بلا امتیاز انعامِ الٰہی کا حقدار بن جاتا ہے۔

کیونکہ خدائے یگانہ جو بزرگ و توانا ہے نام کو نہیں بلکہ کام کو دیکھتا ہے۔ مگر اس غیر متبدل سنّت خداوندی کو ہم النبی الخاتم کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے سب سے خود کو برتر و بالا سمجھنے والے کبھی کے بہکانے والے کے بہکاوے میں آکر نسیاً منسیاً کر کے بسم اللہ کے گنبد میں بند ہیں۔

پھر سورۂ البقرہ آل عمران ہی میں حکم ہوتا ہے (آیت ۶۴)

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

اے پیغمبر تم یہود اور نصاریٰ سے کہہ دو کہ اے اہل کتاب (اختلاف نزاع کی سب باتیں چھوڑ دو) اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلّم ہیں یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی کی ہستی کو اس کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا ہے۔ (ترجمان القرآن)

اگرچہ اس کے بعد تین جگہ ارشاد ہوتا ہے

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

(سورہ التوبہ (۹) : ۳۳)
سورہ الفتح (۴۸) : ۲۸)
سورہ الصّف (۶۱) : ۹)

(ہاں وہی ہے۔ جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے ہوئے) دینوں پر غالب کر دے۔

گزشتہ آیتوں کی روشنی میں یہاں دوسرے دینوں سے مراد بداہۃً ادیانِ باطل اور مذاہبِ کاذب لینی پڑے گی۔ جن میں مجوس و مشرک شامل ہیں۔

۱۶ ــــــــــــ مشنو سخن عاشقی از ہرزہ زباناں !!

کایں کارِ دل است اے پسرو کارزباں نیست

قدامہ، نقدُ الشعرا میں لکھتے ہیں کہ عقائد کا تعلق شاعری سے بالکل نہیں

اور صولی النقد المنہجی ہیں کہ

کفر سے شعر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ ایمان سے شعر میں اضافہ ہوتا ہے

عام شاعروں کے بارے میں تو غالبًا یہ بات درست ہو۔ لیکن نعتیہ شاعری کے بارے میں بالکل نہیں۔ یہ شاعری عقیدے سے غذا حاصل کرتی ہے۔ ایمان سے حرارت اَخذ کرتی ہے۔

اس کے لوازم میں حُبِّ رسُول، تعلق باللہ، تمسک بالسُّنّہ، قرآن وحدیث سے عارفانہ آگاہی، ثقافت و حضارتِ اسلامی پر عبور، عربی و فارسی سے بقدرِ کفایت آشنائی، طہارتِ قلب و نظر، زبان و بیان پر قدرت۔ وافر شعری صلاحیت۔

اسے زبانِ قال و حال سے یہ کہنا چاہیئے

چہ حالت است ندانم جمالِ سلمٰی را

کہ بیش دیدنش افزوں کند تمنّا را

نعت گو کو سُبک رُوح، کریم نہاد، قلندر مزاج ہونا چاہیئے۔ کیونکہ

کیفیتِ گدازِ دل از مے رساتر است

اس کا عالم تو یہ ہونا چاہیئے

بہ بست دیدۂ مجنوں ز خویش و بیگانہ

چہ آشنا نگہے بود چشمِ لیلیٰ را

۱۷ ــــــــــــ خرد عاجز نظر خیرہ زباں کج مج بیاں قاصر

زمینِ نعت میں کیا دیجئے دادِ سخن دانی

ویسے جن جن کو پڑھا ہے قدرتًا غیر محسوس طور پہ ان سے متاثّر ہُوا ہوگا

امام بوصیری کے سوز و گداز کا اثر ضرور میرے لہجے نے قبول کیا ہوگا

ویسے حقیقت یہ ہے

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

غلط نعت گو کون ہوتا ہے؟

یہ تو اظہارِ عشق ہے ۔ عرضِ نیاز ہے

نوائے شوق ہے ، نالۂ مہجوری ہے اور

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے

نالہ پابندِ نے نہیں ہے

اَلْعِشْقُ جنونٌ وَ هُوَ اَلْوَانٌ

ویسے نعت گوئی اسی کو زیب دیتی ہے جو یہ محسوس کرے کہ

اُنؐ کی خوشبو نفس نفس میں ہے

سانس لینا بھی اب ہے کارِ ثواب

باقی جہاں تک اس کے پائے کا تعلق ہے۔ وہ اس کی شاعرانہ استعداد ، اس کی علمی و ذوقی تربیت و تیاری پر منحصر ہے۔

۱۹ ——— ہوتی تو ہے لیکن کیا کیا جائے۔ اس طبیعتِ مشکل پسند نے میرے لیے بہت مسائل کھڑے کیے ہیں۔

حیف در شہرِ خوبرویاں میر

کس زبان مرا نفہمیدہ

وقت کے ساتھ ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ اس اسلوب سے مانوس ہو رہے ہیں اور ادھر میری زبان میں بھی بتدریج سلاست ، گھلاوٹ اور رچاؤ پیدا ہو رہا ہے (یا شاید یہ میری خوش فہمی ہو)

فریب خود کو بشر کیسے کیسے دیتا ہے

معلوم نہیں۔ یہ سوال اہلِ نقد و نظر سے کریں

یک بیاباں ہے مری بیکسی و تنہائی

مثلِ آوازِ جرس سب سے جدا جاتا ہوں

میں تو اپنے درد کا ، ارادت کا ، عجز کا اظہار کرتا ہوں۔ جس سانچے میں ڈھل جائے۔ جو صورت اختیار کر جائے۔

دل خراشی و جگر چاکی و سینہ کاوی

اپنے ناخن میں ہیں سب اور ہنر مت پوچھیو

۲۱ ——— من نہ انواع بادہ مخمورم

اُلفت ہے مجھ کو حسن کے ہر رنگ سے نیرنگ سے

فارغم از معرکہ آرائی سود و زیاں
می کنم از بس دریں بازار سودائے دگر

۲۲ ——— اثرانداز حقیقی شاعر پر مثبت معنوں میں کہ اسے تخلیق پر اُبھارتی ہے، طبیعت میں اُمنگ پیدا کرتی ہے۔ اسے نئے نئے مضمون سجھاتی ہے۔ نئے جھروکے فکر و خیال کے، اظہار و بیاں کے رمز و استعارہ کے کھولتی ہے۔ اسے نئے رنگوں، نئے آہنگوں، نئی سوچوں، نئے کلموں سے متعارف کراتی ہے۔

ترجمہ نگاری ایک طرح سے جذبۂ تخلیق کو "جاگ" لگاتی ہے اور اس طرح ایک نئی تخمیر کا، نئی بار آوری کا، کام دیتی ہے۔ یہ ایک للکار ہے، ہل من مُبارِز کا رجز ہے۔ جو صاحبِ تخلیق میں جذبۂ مسابقت پیدا کرتا ہے۔ اسے مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔ اسے آئینہ دکھاتا ہے اور یوں سوئے ہوئے شیر کو بیدار کرتا ہے

خیز کہ در کوہ و دشت خیمہ زد ابرِ بہار

۲۳ - ہاں ارادہ تو ہے۔ اسی مضمون کو آگے بڑھا کر اب میں نے اسے سب فارسی شعراء پر پھیلا دیا ہے۔ اور اسی نگاہ سے اُردو شاعری کا بھی جائزہ لیا ہے۔[۵]

اور مضامین بھی پیشِ نظر ہیں

ز دل مجموعۂ ہر روز املا می تواں کردن
ازیں یک قطرہ خوں صد نامہ انشا می تواں کردن

۲۴ ——— اپنی جگہ اپنی نگاہ میں سبھی معتبر ہیں۔ لیکن ایک نقاد کو پہلے تخلیق کار ہونا چاہیئے تاکہ اسے اس راہ کی مشکلات کا اندازہ ہو۔ اور اس کی بصارت میں بصیرت شامل ہو سکے۔ خالی ناصح بننا تو کچھ ایسا مشکل نہیں۔ جنہیں کچھ کرنے کو نہ ہو خدائی فوجدار بن جاتے ہیں۔ وہ لطیفہ تو آپ نے سُنا ہی ہو گا کہ نقاد وہ ہے جو عشق کرنے کے، محبوب کو رام کرنے کے بیسیوں گُر جانتا ہو مگر کوچۂ محبوب تک کبھی آیا نہ گیا ہو

ذوقِ ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

۲۵ ——— تنقید تخلیق کار کی رہنمائی تو نہیں کرتی

عاشقاں را مقتدا و قبلہ و تکبیر نیست

اس کا رہنما تو اس کا اپنا دل، اپنا دماغ ہوتا ہے۔ اس کا رابطہ تو براہِ راست سروش سے "اپنے اندر کے سرچشمۂ ربوبیت سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے تو ہاتف ہی کہتا رہتا ہے۔

---

۵ - ۱۲۴ صفحوں کا یہ مضمون "نقوش" خاص نمبر دسمبر ۱۹۸۶ء میں شائع ہو چکا ہے

اشْفَقْتَ نَفْسَكَ وَ اِنْ اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست
ہُشدار و گوش خود بہ پیامِ سروش کُن

البتہ یہ قاری کی رہنمائی ضرور کر سکتی ہے۔ اس کے ذوق کی تربیت کر کے حسن و قبح غث و سمین میں خطِ امتیاز کھینچ کر اسے خُوب کا، خوب و خُوب تر کا فرق بتا کر ——— بشرطیکہ وہ تعصّب سے پاک، گروہ بندی سے الگ اور اخلاص و دیانت پر مبنی ہو۔ اور اس صورت میں تو فن کار بھی کسی حد تک اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔ ویسے ہر فن کار بالقوّہ ہی نہیں بالفعل ناقد ہوتا ہے۔ بغیر تنقیدی مضمون لکھے بھی۔ نہیں تو وہ جھوٹے اور سچے سُر میں فرق کیسے کر سکتا ہے؟

۲۶ ——— یہ شاعر کے قد و قامت پر منحصر ہے۔ اگر اس کا شعور و ادراک، اس کا جذب و شوق اس کی قدرتِ بیان سے پوری طرح ہم آمیز و ہم آہنگ ہے۔ اس کی تحریر میں اس کے دل کی دھڑکنیں شامل ہیں۔ اس میں درد مندی کی لہر موجود ہے۔ اس میں فکری و جمالیاتی حرارت وحدّت ہے۔ تو اسے ادبِ عالیہ کی محفل میں بلا تکلّف، بلا تردّد بار ملنا چاہیئے۔ ایک لمحہ پھیل کر صدیوں کو بھی محیط ہو سکتا ہے

یک لمحہ غافل بُودم و صد سالہ راہم دُور شد

ایسی تحریر دیرپا بھی ہو سکتی ہے۔ اور اعلیٰ تخلیقی ادب میں بلند مقام بھی حاصل کر سکتی ہے۔ اور پھر موجودہ دَور تو مزاحمتی ادب کا ہی ہے۔ باطل کی مزاحمت کا، حق کی مدافعت کا، انسانیت کی حمایت کا، بربریّت کی مخالفت کا، ظلمت، جہالت، استبداد، عصبیّت کے خلاف اعلانِ جنگ کا، ظلم و تشدّد کے خلاف معرکہ آرائی کا

لڑو تم لڑنے ہی میں زندگی ہے
——— حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

۲۷ ——— آج کل بلاشبہ بڑی خیال افروز، نئے استعارے کی، نئے محاورے کی، جدید لب و لہجے کی، تر و تازہ، شاداب و گلنار غزلیں لکھی جا رہی ہیں

وارث شاہ ہوتا تو کہتا

مان متیے، رُوپ گمان بھریئے، اٹھکیلیے، رنگ رنگیلیے نی!

حال کی طرح اس کا مستقبل بھی منوّر و معمور ہے۔ مشاعروں میں تو غزل ہی سکّہ رائج الوقت ہے۔
ترنّم کے سانچے میں ڈھل جانے والی سریع الفہم، سہل الفہم

وہاں اکثر و بیشتر جس قسم کی غزلوں پر زیادہ داد و تحسین ملتی ہے ان پر بآسانی یہ بول چسپاں کیا جا سکتا ہے

کچّی کلی کچنار دی رُوپ تھوڑا رنگ بہتا

۲۸ ______ بقدرِ توفیق دیگر رُباعی گو شعراء نے بھی کی ہوگی۔ اس نواح میں خیّام کے ہمصفیر اور بھی ہیں لکھنے کا عمل بے ساختہ ہوتا ہے۔ جب کیفیت قلم رواں ہو جاتا ہے تو پھر مہمیز کو بھی برداشت نہیں کرتا اور اپنی رَو میں منزلیں مارتا چلا جاتا ہے۔ بس مناسبتِ طبعی شرط ہے۔

۲۹ ______ باقی اصناف کی طرح روشن و تاباں۔ اگرچہ ہمیشہ کی طرح مخصوص طبائع ہی اس طرف راغب ہوتی ہیں۔ عام شاعروں کے لیے یہ صنف علاقۂ ممنوعہ ہی رہتی ہے۔

۳۰ ______ روشن خیالی کے بغیر تو فن بس اندھے کی لاٹھی ہے۔ اس کے بغیر کارِ سخن محض قافیہ پیمائی اور شغل بے کاری ہے۔ مجھے تو اس نے یہ بتایا کہ

غرّہ دانش نگردی از فسونِ حرف چند

اے ز معنی بے خبر علمِ حقائق دیگر است

اور یہ بھی کہ ردّ و قبول، تولّا و تبرّا، مدح و قدح سے بے نیاز، مزد و صلہ کی داد و انعام کی، اجر و نوازش کی خواہش سے کنارہ کش ہو کر شوق و شغف سے، یکسوئی و انہماک سے اپنا کام کرتے رہنا چاہیئے۔ اس نے مجھے انکار کے بانکپن، نفی کے ناز اور استغنا کے حُسن سے آشنا کیا۔ اس نے مجھے نایک تان سین کا وہ جواب دلایا جو اس نے اکبرِ اعظم کے اس سوال پر

کہ تم نے کس قدر موسیقی کا علم حاصل کیا؟

دیا تھا : جس قدر سمندر میں سے قطرہ

اگرچہ بقول کسے : قطرے قطرے کی ہے معراج سمندر ہونا

ہر سقراط، ہر نیوٹن و تان سین جسے خدا خود آگاہی کی دولت سے سرفراز کرتا ہے

یونہی اپنے کمال کی نفی کرتا ہے۔ یونہی خنّاس کے وسوسے سے بچتا، اپنے جوہر کی پرداخت کرتا اور مستی و ہوشیاری کے مرحلے طے کرتا ہے۔

______ انجیل و توراۃ بھی آسمانی کتابیں ہیں۔ اور یونانی اساطیر بھی فطرتِ انسانی کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نگاہ کوئی نئی چیز نہیں۔ ہر الہامی مذہب اسلامی ہے، یا اپنے وقت پر تھا۔ بعد میں رسم و رواج کا غلاف اس پر چڑھ کر اس کے خد و خال کو دھندلا دیتا ہے۔ انسان کی تلوّن مزاجی، جدّت پسندی اور صنم پرستی اس میں تحریف و تبدّل کر دیتی ہے۔ اس

لیے ہر زمانے کے لیے اس کے احوال وظروف کے مطابق ایک نئی وحی کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ وہ خدائی پیغام کو نئے سرے سے کسی آمیزش کے بغیر خدا کے بندوں تک پہنچا سکے ۔ اور انھیں پیمانِ الست یاد دلا سکے۔

قرآن میں دین کی جمع ادیان کہیں نہیں آئی۔ کیونکہ ایک ہی دین ہے آدم تا احمد ——— دینِ اسلام

ویسے ان قصوں میں، میں نے قرآن کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ قرآن کے بیشتر قصے وہی ہیں جو توریت میں شرح وبسط سے بیان ہوئے ہیں۔ تورات کی کتاب پیدائش میں یہ قصے ملتے ہیں

۱۔ (تخلیق آدم و حوا ——— انھیں ایک درخت کے پاس جانے کی مناہی)

(آدم ——— زمین یا لال مٹی سے نکالا گیا۔)

اور خداوند نے آدم کو حکم دیا۔ اور کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے لیکن نیک و بد کے پہچان کے درخت کا کبھی نہ کھانا۔ کیونکہ جس روز تو نے اس سے کھایا تو مرا

(پھل کھانے کے بعد) ——— تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انھوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں۔

(ان کا باغ بہشت سے اخراج) اس لیے خداوند نے اس کو باغ عدن سے باہر کر دیا۔

قرآن:

وَكُلَا رَغَدًا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ

——— فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَ فِيْهِ

۲۔ (قابیل کا ہابیل کو ہلاک کرنا) (۔ قرآن میں نام نہیں۔ توریت میں نام قائن وہابل ہیں)

۳۔ (طوفانِ نوح) (نوح کے عبرانی میں معنی ہیں آرام، تسلی)

اور خدا نے نوح سے کہا کہ تمام بشر کا خاتمہ میرے سامنے آچکا ہے۔ کیونکہ ان کے سبب سے زمین ظلم سے بھر گئی۔ سو دیکھ میں زمین سمیت ان کو ہلاک کر دوں گا۔ تو گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی اپنے لیے بنا۔ اور سب جو زمین پر ہیں مر جائیں گے۔ پر تیرے ساتھ میں اپنا عہد قائم کروں گا۔ اور تو کشتی میں جانا۔ تو اور تیرے ساتھ تیرے بیٹے اور تیری بیوی اور تیرے بیٹوں کی بیویاں اور جانوروں کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا کہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں۔

وہ نر و مادہ ہوں ۔

——— اور نوح نو سو برس کا تھا جب پانی کا طوفان زمین پر آیا

——— سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر بارش ہوتی رہی ۔

——— اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی رک گیا۔ اور سمندر کے سوتے اور آسمان کے دریچے بند کئے گئے اور آسمان سے جو بارش ہو رہی تھی ۔ تھم گئی ۔

——— کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی ۔

۴ - (حضرت ابراہیم کے پاس فرشتوں کا آنا، ان کی ضیافت)

(ابرام : عربی - بہت قوموں کا باپ)

اور ابرہام گلے کی طرف دوڑا - اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا اور اس نے جلدی جلدی اسے تیار کیا۔ پھر اس نے مکھن اور دودھ اور اس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا - لے کر ان کے پاس رکھا

(فرشتوں کا فرزند کی بشارت دینا۔ بشارت سن کر حضرت سارہ کا ردِ عمل) (سارہ - شہزادی)

تب سارہ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا : اس قدر عمر رسیدہ ہونے پر بھی میرے لیے شادمانی ہو سکتی ہے؟ حالانکہ میرا خاوند بھی ضعیف ہے ؟

پھر خداوند تعالیٰ نے ابرہام سے کہا کہ سارہ کیوں یہ کہہ کر ہنسی کہ کیا میرے ایسی جو بڑھیا ہو گئی ہوں واقعی بیٹا ہو گا؟ ——— کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے ؟

قرآن میں بعینہٖ اسی مضمون کے الفاظ ہیں :

وَ امْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰىٓ ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ !

قَالُوْٓا : اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؟

۵ - (ان فرشتوں کی سدوم و عمورہ کو روانگی)

اور وہ دونوں فرشتے شام کو سدوم میں آئے - اور لوط سدوم کے پھاٹک پر بیٹھا تھا ۔

لوط ان کو دیکھ کر ان کے استقبال کے لیے اٹھا ——— جب وہ بہت بجد ہوا تو وہ اس کے ساتھ چل کر اس کے گھر میں آئے ——— اور اس سے پیشتر کہ وہ آرام کرنے کے لیے لیٹیں ۔ سدوم

شہر کے مردوں نے جوان سے لے کر بڈّھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا۔ اور اُنہوں نے لُوط کو پکار کر اس سے کہا، کہ وہ مرد جو آج رات تیرے ہاں آئے ہیں کہاں ہیں؟ ان کو ہمارے پاس باہر لا تاکہ ہم ان سے صُحبت کریں ـــــــ تب لُوط نکل کر ان کے پاس دروازے پر گیا اور اپنے پیچھے کواڑ بند کر دیا اور کہا کہ اے بھائیو! ایسی بدی تو نہ کرو۔ دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں مرضی ہو تو میں ان کو تمہارے پاس لے آؤں اور جو تم کو بھلا معلوم ہو ان سے کرو۔ مگر ان مَردوں سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ اسی واسطے میری پناہ میں آئے ہیں۔

اُنہوں نے کہا یہاں سے ہٹ جا

جب صبح ہوئی تو فرشتوں نے لوط سے جلدی کرائی اور کہا کہ اُٹھ اپنی بیوی اور اپنی دونوں بیٹیوں کو جو یہاں ہیں لے جا۔ ایسا نہ ہو کہ تو بھی اس شہر کی بدی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جائے۔

ـــــــ تو اپنی جان بچانے کو بھاگ۔ نہ تو پیچھے مڑ کر دیکھنا نہ کہیں میدان میں ٹھہرنا

ـــــــ تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اس ساری ترائی کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگا تھا۔ غارت کیا۔

مگر اس کی بیوی نے اس کے پیچھے سے مُڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی

ـــــــ قرآن میں کم و بیش یہی بیان ہے۔ گو یہ تفصیل نہیں

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ
قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ
قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ
مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ
مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ

(لُوط کے معنی عبرانی میں: مَلفُوف یعنی لپٹا ہُوا)

۶۔ (قصّۂ یوسف) (یوسف کے معنی عبرانی میں: خدا اضافہ کرے)

ـــــــ اس نے کہا دیکھو مجھے ایک اور خواب دکھائی دیا ہے۔ کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں نے

مجھے سجدہ کیا۔

۔۔۔۔۔۔ اور یوسف کو مصر میں لائے اور فوطیفار مصری نے ۔۔۔۔۔۔ اسے خرید لیا۔

۔۔۔۔۔۔ یوسف ۔۔۔۔۔۔ اپنے مصری آقا کے گھر میں رہتا تھا ۔۔۔۔۔۔ اور اس نے اسے اپنے گھر کا مختار بنا کر اپنا سب کچھ اسے سونپ دیا۔

اور یوسف خوب صورت اور حسین تھا۔ اِن باتوں کے بعد یوں ہُوا کہ اس کے آقا کی بیوی کی آنکھ یوسف پر لگی اور اُس نے اس سے کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ لیکن اُس نے انکار کیا۔

۔۔۔۔۔۔ اور وہ ہر چند یوسف کے سر ہوتی رہی پر اُس نے اس کی بات نہ مانی

اور ایک دن یوں ہُوا کہ وہ اپنا کام کرنے کے لیے گھر میں گیا اور گھر کے آدمیوں میں سے کوئی بھی اندر نہ تھا تب اُس عورت نے اس کا پیرہن پکڑ کر کہا؛ کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو! وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا ۔۔۔۔۔۔ اور وہ اس کا پیراہن اس کے آقا کے گھر لوٹنے تک اپنے پاس رکھے رہی۔

تب اُس نے یہ باتیں اس سے کہیں کہ یہ عبری غلام جو تُو لایا ہے میرے پاس اندر گھس آیا۔ کہ مجھ سے مذاق کرے۔ جب میں نے زور زور سے چلّانے لگی تو وہ اپنا پیراہن میرے پاس چھوڑ کر باہر بھاگ گیا۔

جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اُس نے اُس سے کہیں سُن لیں۔ کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اس کا غضب بھڑکا۔ اور یوسف کے آقا نے اس کو لے کر قید خانے میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے۔ ڈال دیا۔ سو وہ وہاں قید خانے میں رہا۔

۔۔۔۔۔۔ اور فرعون اپنے ان دونوں حاکموں میں سے جن میں ایک ساقیوں اور دوسرا نان پزوں کا سردار تھا۔ ناراض ہو گیا۔ اور اس نے ان کو جلد داروں کے سردار کے گھر میں اس جگہ جہاں یوسف حراست میں تھا قید خانہ میں نظر بند کر دیا۔

۔۔۔۔۔۔ انہوں نے اس سے کہا ہم نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر کرنے والا کوئی نہیں۔ یوسف نے ان سے کہا ۔۔۔۔۔۔ مجھے ذرا وہ خواب بتاؤ!

تب سردار ساقی نے اپنا خواب یوسف سے بیان کیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ انگور کی بیل میرے سامنے ہے۔ اور اس بیل میں تین شاخیں ہیں۔ اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس میں کلیاں لگیں اور پھول آئے۔ اور اس کے سب گچھوں میں پکے پکے انگور لگے۔ اور فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں ہے اور میں نے ان انگوروں کو لے کر فرعون کے پیالے میں نچوڑا اور وہ پیالہ میں نے فرعون کے ہاتھ میں دے دیا۔

یوسف نے اس سے کہا: اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ تین شاخیں تین دن ہیں۔ سو اب سے تین دن کے اندر

فرعون تجھے سرافراز فرمائے گا۔ اور تجھے پھر تیرے منصب پر بحال کر دے گا۔ اور پہلے کی طرح جب تو اس کا ساقی تھا۔ پیالہ فرعون کے ہاتھ میں دیا کرے گا۔

لیکن جب تو خوشحال ہو جائے تو مجھے یاد کرنا ——— فرعون سے میرا ذکر کرنا اور مجھے اس گھر سے چھٹکارا دلوانا۔

——— سردار نان پز نے ——— کہا: میں نے بھی خواب دیکھا کہ میرے سر پر سفید روٹی کی تین ٹوکریاں ہیں۔ اور اوپر کی ٹوکری میں ہر قسم کا پکا ہوا کھانا فرعون کے لیے ہے اور پرندے میرے سر پر کی ٹوکری میں سے کھا رہے ہیں۔ یوسف نے اسے کہا، اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں۔ سو اب سے تین دن کے اندر فرعون تیرا سر تیرے تن سے جدا کر کے تجھے ایک درخت پر ٹنگوا دے گا۔ اور پرندے تیرا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

(اپنی رہائی کے بعد) ——— سردار ساقی نے یوسف کو یاد نہ کیا بلکہ اسے بھول گیا۔

——— پورے دو برس بعد فرعون نے خواب میں دیکھا کہ وہ لب دریا کھڑا ہے۔ اور اس دریا میں سے سات خوب صورت اور موٹی موٹی گائیں نکل کر نیستان میں چرنے لگیں۔ ان کے بعد اور سات بدشکل اور دُبلی دُبلی گائیں دریا سے نکلیں اور دوسری گایوں کے برابر دریا کے کنارے جا کر کھڑی ہوئیں۔ اور یہ بدشکل اور دُبلی دُبلی گائیں ان ساتوں خوب صورت اور موٹی موٹی گایوں کو کھا گئیں۔

اور اس نے دوسرا خواب دیکھا کہ ایک ڈنٹھی میں اناج کی سات موٹی اور اچھی اچھی بالیں نکلیں ان کے بعد اور سات پتلی اور پوربی ہوا کی ماری مرجھائی ہو بالیں نکلیں۔ یہ پتلی بالیں ان ساتوں موٹی اور بھری ہوئی بالوں کو نگل گئیں۔

——— تب اس نے مصر کے سب جادوگروں اور سب دانشمندوں کو بلوا بھیجا اور اپنا خواب ان کو بتایا۔ پر ان میں سے کوئی فرعون کے آگے ان کی تعبیر نہ کر سکا۔

(سردار ساقی کے یاد دلانے پر) ——— تب فرعون نے یوسف کو بلوا بھیجا۔

——— تب یوسف نے فرعون سے کہا ——— وہ سات اچھی اچھی گائیں سات برس ہیں اور وہ سات اچھی اچھی بالیں بھی سات برس ہیں۔ اور وہ سات بدشکل اور دُبلی گائیں جو ان کے بعد نکلیں اور وہ سات خالی اور پوربی ہوا کی ماری مرجھائی ہوئی بالیں بھی سات برس ہی ہیں۔

مگر اس کے سات برس ——— دیکھ سارے ملک مصر میں سات برس تو پیداوار کثیر کے ہوں گے ان کے بعد سات برس کال کے آئیں گے۔

قرآن میں یہی چاروں خواب اور واقعات کم و بیش اسی طرح بیان ہوئے ہیں۔ گو مجملاً کیونکہ قرآن کا انداز ہی ایجاز کا ہے۔

قَالَ اِحْدٰهُمَآ اِنِّیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ

——— یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ۔

——— وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ۔

فوطیفار (عزیزِ مصر؟) کی بیوی کا نام زلیخا بائیبل یا قرآن کسی میں نہیں آیا۔ غالباً تلمود میں مذکور ہے۔ لفظ زلیخا زلخ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پھسلنا یا پھسلانا)

۷۔ کتابِ خروج میں حضرت موسیٰ کا قصہ ———— دریا میں سرکنڈوں کے ٹوکرے میں اسے چھوڑنا۔ فرعون کی بیٹی کا اسے اٹھوانا۔ اس کی بہن کا دور کھڑے دیکھنا) ————

تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی سے کہا کہ میں جا کر عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تیرے پاس بلا لاؤں جو تیرے لیے اس بچے کو دودھ پلایا کرے۔

———— وہ لڑکی جا کر اس بچے کی ماں کو بلا لائی ———— وہ عورت اس بچے کو دودھ پلانے لگی

———— (فرعون کی بیٹی نے) اس کا نام موسیٰ یہ کہہ کر رکھا کہ میں نے اسے پانی سے نکالا۔

قرآن: وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ ———— فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ———— وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ ———— فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ؟ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ۔

اور اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر اُدھر نگاہ کی۔ اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے۔ تو اس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا ———— پھر دوسرے دن وہ باہر گیا اور دیکھا دو عبرانی آپس میں مار پیٹ کر رہے ہیں۔ تب اس نے اسے جس کا قصور تھا۔ کہا

کہ تو اپنے ساتھی کو کیوں مارتا ہے؟ اُس نے کہا تجھے کس نے ہم پر حاکم یا منصف مقرر کیا ہے؟ کیا جس طرح تو نے اس مصری کو مار ڈالا مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟

——— جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰ کو قتل کرے۔ پر موسیٰ فرعون کے حضور سے بھاگ کر ملک مدیان میں جا بسا۔ وہاں وہ ایک کنوئیں کے نزدیک بیٹھا تھا۔ اور مدیان کے کاہن کی سات بیٹیاں تھیں۔ وہ آئیں اور پانی بھر بھر کر کٹھڑوں میں ڈالنے لگیں تاکہ اپنے باپ کی بھیڑوں کو پانی پلائیں اور گڈریئے آکر ان کو بھگانے لگے۔ لیکن موسیٰ کھڑا ہو گیا۔ اور اُس نے ان کی مدد کی اور ان کی بھیڑ بکریوں کو پانی پلایا۔

قرآن:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ——— فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ؟

——— وَ ——— تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ ——— وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ: مَا خَطْبُكُمَا؟

قَالَتَا: لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ——— فَسَقٰى لَهُمَا

(تعداد میں البتہ فرق ہے۔ یہاں سات کے بجائے دو کا ذکر ہے)

——— تو خدا نے اسے جھاڑی میں سے پکارا اور کہا: اے موسیٰ! اے موسیٰ! اُس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ تب اُس نے کہا ادھر پاس مت آ۔ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ جس جگہ تو کھڑا ہے۔ وہ مقدس سرزمین ہے۔

قرآن:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى! اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ

اَلْمُقَدَّسِ طُوًی۔

———— اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اُس نے کہا لاٹھی!
پھر اُس نے کہا کہ اسے زمین پر ڈال دے۔ اُس نے اسے زمین پر ڈالا۔ اور وہ سانپ بن گیا۔ اور موسیٰ اس کے سامنے سے بھاگا۔ تب خداوند نے موسیٰ سے کہا ہاتھ بڑھا کر اس کی دُم پکڑ لے۔ اُس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا۔ وہ اس کے ہاتھ میں لاٹھی بن گئی۔

———— پھر خداوند نے اسے یہ بھی کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر ڈھانک لے اُس نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر اسے ڈھانک لیا۔ اور جب اُس نے اسے نکال کر دیکھا تو اس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔ اُس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ پھر اپنے سینے پر رکھ کر ڈھانک لے۔ اس نے پھر اسے سینے پر رکھ کر ڈھانک لیا۔ جب اُس نے اسے سینے پر سے باہر نکال کر دیکھا تو پھر وہ اس کے باقی جسم کی مانند ہو گیا۔

قرآن:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسٰى؟ قَالَ هِيَ عَصَايَ ————

قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسٰى! فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى. قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ

———— تب موسیٰ نے خداوند سے کہا اے خداوند میں فصیح نہیں۔ بلکہ رُک رُک کر بولتا ہوں اور میری زبان کند ہے۔

———— اور موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے۔

———— اور ہارون نے اپنی لاٹھی فرعون اور اُس کے خادموں کے سامنے ڈال دی اور وہ سانپ بن گئی۔

———— تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو بلوایا۔ اور مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ انہوں نے بھی اپنی اپنی لاٹھی سامنے ڈالی اور وہ سانپ بن گئی۔ لیکن ہارون کی لاٹھی ان کی لاٹھیوں کو نگل گئی۔

———— اور خداوند نے موسیٰ سے کہا تو اپنی لاٹھی اُٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اُوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر۔ اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائیں گے۔

———— اور خداوند نے سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تہ و بالا کر دیا۔ اور پانی پلٹ آیا اور اُس

نے رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا تھا۔ غرق کر دیا۔

———— اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر پر بڑھایا۔ اور خداوند نے تند مشرقی ہوا کے ذریعے ساری رات بھر چلتی رہی۔ سمندر کو پیچھے ہٹایا یہاں تک کہ وہ خشک زمین ہو گیا۔ اور پانی دو حصے ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ خشکی سے گزرے اور ان کے داہنے اور بائیں پانی دیوار کی طرح تھا۔

اور موسیٰ گھٹا کے بیچ میں ہو کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور وہ پہاڑ پر چالیس دن اور چالیس رات رہا۔

———— قرآن میں اسی مضمون کے الفاظ ہیں۔ قرآنی اسلوب اجمال و کنایہ کا ہے۔ لفظ کم معنی بہت صرف حکایات ہی نہیں بلکہ احکام بھی اکثر مشترک ہیں مثلاً یہی

تو عورت کے پاس اس کے حیض کی نجاست کے وقت نہ جانا۔ تاکہ اس کے بدن کو بے پردہ کرے۔

قرآن:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ. قُلْ : هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوْا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ.

قرآن میں چھ دن میں خلقِ کائنات (تخلیق ارض و سمٰوات) کا ذکر ہے۔ توریت کتاب پیدائش میں بھی چھ ہی دن ہیں۔ البتہ اس میں ہر دن کی کارگزاری کی تفصیل ہے۔

۲۱ ———— مالی دا کم پانی دیناں بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لاونا لاوے یاں نہ لاوے

یک نگہ بیش بہایش نہ نہادم لیکن
خود پسنداں نہ نمودند خریداریِ دل

اب Don Quixote کی طرح آدمی کیا ہوا سے لڑے؟

از بال و پرِ غبارِ تمنا فشاندہ ایم
بر شاخِ گُل گراں نبود آشیانِ ما

بس کام کرتے رہنا چاہیئے۔ اس کی پذیرائی کے بارے میں زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہیئے

اگر تخلیق میں زندگی کی رمق ہے تو آئینِ نمو کی رُو سے موسموں کے ستم کے باوجود پھلے پھولے گی۔ اگر نہیں تو مصنوعی تنفس سے اسے زیادہ دیر زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔ اسے سُرخی و شادابی اس کی اپنی حرارتِ غریزی میں عطا کرتی ہے۔ فن کار تو شکاری ہے۔ شکار ارتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے۔ نئے شکار کی تلاش میں نئے جنگلوں نئی وادیوں میں۔

لاش پر تن کر کھڑے ہو کر تصویریں بنوانا، کھالوں اور سینگوں کی نمائش کا اہتمام کرنا۔ سچے شکاری کا شیوہ نہیں وہ ان سطحی اور اوچھی باتوں سے بلند و بے نیاز ہوتا ہے۔

نظر بہ کُحلِ جواہر نمی کُند اے میر
بہ دیدہ آں کہ کشد گردِ راہِ خُوباں را
بے نیازانہ ز اربابِ کرم می گزرم
چوں سیہ چشمے کہ بر سُرمہ فروشاں گُزرد

۳۲ ——— دو کتابیں پریس میں ہیں "سرابِ ساحل" غزلوں کا اور "زردِ داغِ دل" نظموں کا مجموعہ۔ مقبول اکیڈمی والے انھیں شائع کر رہے ہیں

اپنی خصوصیات وہ خود بتائیں گی اسے جو ان سے پُوچھے گا۔

(دو اور کتابیں بھی بہت دنوں سے ناشر کے انتظار میں ہیں : بادِ شمال ——— خوشنوایانِ رُوس کے نغمے اور فرقانِ جاوید ——— قرآن مجید کا منظوم ترجمہ)

۳۳ ——— من و سوزِ دروں و سینۂ چاک
جب تک جینا تب تک سینا

خواہش تو یہی ہے کہ حیاتِ مستعار کی جو میعاد باقی ہے وہ "پرورش لوح و قلم" ہی میں کٹے

اگر اَجل دہدم مہلت و خدا توفیق
من و خدا و کتابے و گوشۂ خلوت

غالب نے کبھی کہا تھا۔ سنو صاحب! جس شخص کو جس شغل کا ذوق ہو۔ اور وہ اس میں بے تکلف عمر بسر کرے۔ اس کا نام عیش ہے۔

جہاں تک مخصوص ہدف مقرّر کر کے کام کرنے کا تعلق ہے تو نظیری کا مشورہ یہ ہے

ہر کُجا راہ دہد اسپ براں تازکہ ما
بارہا مات دریں عرصہ بتدبیر شدیم

میرا طریق تو یہ ہے :

ہست حق عقبائے من حُسنِ تباں دنیائے من
گویم از ہر دو سخن شعرِ ایں تقاضا می کند

وادیِ حرف و بیاں میں تو جرسِ شوق کی یہی صدا ہوتی ہے : اب کوئی منزل نہیں سفر ہی سفر ہے

"سرابِ ساحل" "زردِ داغِ دل" اور "فرقانِ جاوید" تینوں شائع ہو چکی ہیں۔

کشتی کو موجوں کے حوالے کر دینا چاہیئے کسی گھاٹ تو اُترے گی۔ اور نہ بھی اُترے تو کوئی مضائقہ نہیں

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

۳۴ ——— بقول غالب :

میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

معلوم نہیں وہ کون خوش نصیب ہوتے ہیں جو اپنے آپ سے مطمئن ہوتے ہیں۔ اپنے کام کو کارنامہ سمجھتے ہیں۔ اپنی تراوشِ قلم کو شاہکار کا درجہ دیتے ہیں۔

یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ

ہنوز محرمیٔ حُسن کو ترستے ہیں

۳۵ ——— اب او لمپک مشعل ان کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے سوزِ نفس سے اسے فروزاں رکھنا، موجِ بلا کے تھپیڑوں سے اسے بچانا، اس کی لَو کو کم نہ ہونے دینا بلکہ اسے تیز سے تیز تر کرتے رہنا۔

اس میں لہو جلانا پڑے یا کہ جان و دل

ان کا وظیفۂ حیات ہونا چاہیئے۔

ہمارے کتاب دشمن معاشرے میں اس کارِ خیر کا صلہ کچھ نہیں۔ مگر بفحوائے

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

یہ گویا قرضِ حسنہ ہے۔ جسے فلاحِ انسانی کے لیے فن کار کارکنانِ قضا و قدر کو پیش کرتا ہے۔ یہ وہ بھوگ ہے جسے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھانا پڑتا ہے۔ تاکہ وہ اہلِ زمین پر عرصۂ حیات تنگ نہ کریں۔

فن کار کو ہمیشہ سچ کا ساتھ دینا چاہیئے۔ سچ ہمیشہ انقلابی، وغیور، انسان دوست، آزادی کا جویا، امن کا طالب، مظلوم و محروم کا حامی و ہم نوا ہوتا اور ظلم و استبداد کے خلاف محاذ آرا رہتا ہے۔ سچ کبھی جبر و جمود و جہالت سے مفاہمت نہیں کرتا۔ کبھی بدی و باطل کی بالادستی قبول نہیں کرتا اور ہمیشہ حریت، اخوت اور مساوات کے قیام کے فروغ کے لیے سینہ سپر رہتا ہے

کہ فن شاخِ گُل ہی نہیں تلوار بھی ہے!

حامد علی نقوی

مشرق نے ملک کے نامور اور کہنہ مشق شعراء سے موجودہ دور کی جدید شاعری پر انٹرویو کا سلسلہ شروع کیا ہے، جو صرف تین سوالوں پر مشتمل ہوگا، اس وقت ملک کے ممتاز شاعر جناب عبدالعزیز خالد نے اس سوال کے جواب میں کہ قیام پاکستان کے بعد غزل اور نظم کن حالات سے گزری ہے؟ کہا کہ جن حالات سے پاکستان گزرا ہے۔

کیا غزل روایت کے بغیر بقا کی ضمانت دے سکتی ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا:

"اپنی تاریخ کو فراموش کرکے اپنی جڑوں سے کٹ کر اپنا سے نمو حاصل کیے بغیر کوئی قوم زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کوئی صنف ادب۔

اور آخری سوال پر کہ حالات و واقعات کے کرب کے حوالے سے آج کا غزل گو شاعر مستقبل میں نام و مقام رکھ سکے گا؟ انھوں نے کہا کہ:

"جدت و ندرت روایت کی کوکھ ہی سے پھوٹتی ہے۔ نام و مقام وہی قائم رکھ سکتا ہے، جس میں انھیں قائم رکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے، کتنے ہی تخلیق کا باجے تاشے کے ساتھ کاروانِ فکر و بیاں میں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن جسمانی قویٰ کے اضمحلال کے ساتھ ساتھ اپنے باطنی سوتوں کے خشک ہونے پر رفتہ رفتہ غبار کارواں میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

عبدالعزیز خالد

عالمتاب تشنہ

ازل کا حُسن ہے تیرے قلم کی رعنائی
ترے حضور ہیں صف بستہ علم و دانائی

نفس نفس ترا صہبائے آبگینہ گداز
عطا ہوئی ہے تجھے شہرِ دل کی دارائی

کیا ہے وقت کو تُو نے اسیرِ دامِ خیال
شعور و فکر کو بخشی ہے تُو نے بینائی

کہاں مفر ہے تجھے کربِ آفرینش سے
ہے تیری فکر میں روزِ ازل کی پیدائی

رمِ حیات کو دی تُو نے تُندیِ رفتار
بساطِ بزمِ ہنر تیرے دم سے گرمائی

لکھی ہے شعر میں تاریخِ فکر و فن تُو نے
ترے قلم میں ہے حُسنِ جہانِ دانائی

ہر ایک بات پہ اک بات دلنشیں تیری
ہر ایک نکتے پہ ہے تیری خامہ فرسائی

ترے اشاروں پہ چلتی ہے وقت کی دھڑکن
ہے سجدہ ریز ترے در پہ زعمِ آقائی

ہے ایک صنعتِ پُرکار شاعری تیری
ہر ایک لفظ میں شان و شکوہِ دارائی

ہے کاسہ لیس فلاطون بھی ترے در کا
کمال ہے یہ تری علم و فن میں یکتائی

ہیں نبضِ وقت کی دھڑکن پہ انگلیاں تیری
طبیبِ عصر! عجب ہے تری مسیحائی!

سفر مجاز و حقیقت کا تیری رندی میں
بیک نظر مجھے یہ بات تُو نے سمجھائی

ہیں میرے دیدہ و دل فرشِ راہ تیرے لیے
کہ اہلِ دل پہ ہے لازم تری پذیرائی!

— (١٢) —

إلى السيد عبد العزيز خالد*

٣/٢٢١ بهادر آباد كراچى - ٥
١٩٥٥/٥/٣٠

عزيز العزيز ، السلام عليكم ورحمة الله

و بعد فقد وصلتنى مجموعتكم الشعرية بتاريخ ١٢ مايو [١٩٥٥] مع مكتوب السيد بلوچ [١] وفاتنى أن أردّ عليكم و لكنى نسيت . ماذا أقول ، حدث هذا بسبب قلة الذوق أو تشتت البال ؟ وقد وصلنى أمس مكتوبكم يذكرنى ما كنت ناسياً .

أنا أذكر دائماً كرمكم و فضلكم و لقد سرّنى أنكم فى مدة أشهر تقدّمتم فى إتقان اللغة العربية و حفظ مفرداتها ، اللهم زد فزد .

أقول لكم أن بضاعتى للملكة الشعرية قليلة بل هى عديمة و لم يكن لها عندى أىّ حديث . و أننىَ منذ فارقتكم لم يعتر لى أىّ قرار . فعفواً يا صديقى و غضّنا .

أتمنى أن تتيح لى الأيام فرصة للقياكم . لاشك أنكم حفظتم مجموعة هائلة من مفردات اللغة و غرائبها و أننى أرى أن تحاولوا ممارسة استعمالها فى الجمل و التراكيب . و قد عنّ لى فى شعركم اخطاء لغوية و نحوية كما ظهرت لى هفوات فى العروض و القوافى . فى الحقيقة ،

---

* السيد عبد العزيز خالد كانت صلته مع الاستاذ الميمنى قوية و كان من محبيه و هو الان يعد من الشعراء البارزين فى اللغة الاردية فى باكستان وقد زود اللغة الاردية بالكلمات العربية كما زودها بالأفكار الاسلامية و التلميحات المشرقية .

١. الاستاذ الدكتور نبى بخش بلوچ ، سيأتى التعريف به .

اللغة العربية نثراً كانت أو نظماً، تحتاج إلى التمرين و الممارسة فى الكتابة. أما ما يتعلق عن العواطف الجياشة و المعانى السامية و الجمل الأنيقة و العبارات الرقراقة فأنتم لا يشق لكم غبار فى هذا المضمار. وحق لى أن أقول:

هيهات أن يأتى الزمان بمثلكم

مع الأسف لستم معى هنا ولو كنتم معى لأخبرتكم عن طرق استعمال الألفاظ الجمل و التراكيب. لأننى مقل فى الكتابة و متساهل فيها. أرجو أن تسعدنى الأيام بالاجتماع معكم حتى أشير إلى مواضع الزلل و الضعف فى شعركم.

أقول لكم بل أقسم بالله أنه يندر بين أساتذة الجامعة من يحفظ بمثل هذه المجموعة النادرة من مفردات اللغة العربية وغرائبها التى أنتم تحفظونها. أخيراً أرجو أن تعيروا إهتمامكم لكتابة النثر العربى أيضاً.

المخلص

عبد العزيز الميمنى

ڈاکٹر عتیق اللہ (دہلی یونیورسٹی دہلی)

(۱)

۲۷/۱/۸۱

بنامِ خالد

محترمی خالد صاحب! آداب و نیاز!

مَیں تو آپ کا بہت پرانا فین ہوں۔ اپنے کالج کے زمانے سے آپ کو پڑھتا رہا ہوں۔ آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے آپ نے اپنے آپ کو اس قدر پھیلا دیا ہے کہ سانسیں اکھڑنے لگتی ہیں۔ یہ سب ایک انسان کا کام نظر آتا نہیں۔ واقعی میوز جس پر مہربان ہو جائے۔ آپ نے بلاشبہ شاعری کے موضوعات کو وسیع سے وسیع تر کر دکھایا ہے۔ سہولت پسندی کو چیلنج کیا ہے۔ ان دنوں جبکہ نام نہاد تجربات کا سیلاب اُمڈتا چلا آتا ہے۔ آپ نے انتہائی یکسوئی، استقلال اور ضبط کے ساتھ ایک باوقار مثال قائم کر دکھائی ہے۔ میں ابھی ایک ایک کر کے آپ کی کتابوں کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ ہر کتاب دعوتِ فکر و نظر دے رہی ہے۔ آپ نے علم کو جس تخلیقی ذکاوت کے ساتھ شعر میں بدل دیا ہے۔ اس ہنر کو برقرار رکھنا اور پھر ترجمے میں بھی اس حیثیت کو بروئے کار لانا کس قدر مشکل کام تھا۔ حیرت کا مقام ہے۔ ہر جا جہانِ دیگر ہے۔ آپ کے یہاں ایک نیا کلاسیک جنم لے رہا ہے۔ ہماری عادتیں غزل کے اختصار کی ماری ہوئی ہیں۔ ابھی ہم نے صرف اقبال پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد کسی بلند قامت شاعر کا تصوّر بھی محال نظر آتا ہے۔ آپ مجھے ہومر، ورجل، ہیسڈ، ملٹن اور گیٹے کے قبیل کے شاعر نظر آتے ہیں۔ وہی شکوہ، وہی وقار، ترفّع اور جلال و جمال کا تحیّر خیز امتزاج، میں آپ پر ذرا دم لے کر لکھنا چاہوں گا۔ ان تاثّرات کو تھوڑا وقت دینا چاہتا ہوں۔

آپ کا
عتیق اللہ

(۲)

۱۹/۴/۸۱

محترمی خالد صاحب، سلام مسنون!

محبت نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ!

آپ کی تحریر پڑھ کر ایمان تازہ ہوگیا۔ دراصل آپ نے تخلیق نہیں کی ہے عبادت کی ہے۔ آپ نے حالِ موجود کو نہیں بلکہ پُرافشاں زمانوں کے اُدھر اور اُدھر دیکھا ہے۔ یہ صلاحیت یہ پختگی، یہ کمال، آپ کے مسلسل ریاض اور غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ آپ کو تشکیک میں مبتلا ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے، ویسے ایک تخلیق کار بلکہ جینوئن تخلیق کار تشکیک سے گزرتا ضرور ہے غالب، اقبال۔ گیٹے اور خورپیٹس کی مثال سامنے کی ہے۔ آپ اپنے عہد کی آواز میں آواز نہیں ملا رہے ہیں بلکہ زمانوں کے پار پر آپ کی نظر ہے۔ جب باقر مہدی نے آپ کے کلام پر تنقیدی نگاہ ڈالی تھی تب بھی میں مطمئن نہیں تھا۔ وہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا۔ ابھی میری نثر میں وہ قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ آپ پر لکھنے کی جسارت کر سکتا پھر ایک زمانہ —— آپ سے محروم رہا۔ اب جبکہ آپ کی تخلیقات کا بالاستیعاب مطالعہ کر رہا ہوں تو ذہن کے دریچے کھلتے جا رہے ہیں۔ عظمتیں آپ کے حضور سر بسجود ہیں۔ آپ کا کلام پڑھتا ہوں تو سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ اپنے اندر وسعتوں کا احساس کرتا ہوں۔ جیسے میں نے زماں کے دھارے کو بس میں کر لیا ہے۔ جیسے ہر طرف نور ہی نور کی بارش ہو رہی ہے۔ جیسے فرشتوں کی زبان میں کوئی مجھ سے ہم کلام ہے۔ یہ علویت کتیش جمال۔ جو صرف آپ کی توفیق میں ہے۔ آپ کا شناخت نامہ ہے۔ آپ کو کسی مخصوص ازم تجربے، رویے اور تحریک سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا اس لیے ہمارے ادب کے سوداگروں کی زبان گنگ اور قویٰ مفلوج ہیں کہ آپ کو کس خانے میں رکھ کر گفتگو کریں۔ پرواہ نہ کیجئے اپنی عبادت میں مصروف رہیں۔ نقصان سہی مگر زندگی کون سے فائدے کا نام ہے؟

آپ کا

عتیق اللہ

(۳)

۱۳/۴/۸۶

مکرمی خالد صاحب!
آداب و سلام

دو چار روز قبل ہی تخلیقی ادب کے دونوں شمارے موصول ہوئے۔ آپ کی غزلیں سب سے علیحدہ اور منفرد ہیں۔ غزلوں میں فکر کو اس قدر سیال بنا کر پیش کرنا بھی آسان نہیں رہا۔ آپ جہاں بے حد منضبط، متین اور ہوشمند ہیں، وہاں انتہائی کھلنڈرے، بے تکلف اور غیر رسمی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہاں مونوٹونی کے بجائے ہمیشہ ایک تنوع اور رنگارنگی قائم رہی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ

شہید علم بھی ہوں، زندۂ محبت بھی
بہ فیض ذوقِ سلیم و طبیعتِ موزوں

آپ کا
عتیق اللہ

(۴)

رام کرنا معنئ رم خوردہ کا آساں نہیں
ہم نے نیندیں دے کے راتوں سے خریدے رت جگے

بھائی، واہ وا! کتنے بے تکلف طریقے سے آپ نے یہ باتیں کہہ دی ہیں۔ محض آپ کے اندازِ بیان کی وجہ سے نیا سے نیا لفظ ضمیر و احساس کا حصہ بن جاتا ہے۔ آپ میں بلا کی زود حسی اور جمالیات کا گہرا ادرک ہے۔ آپ کا جمالیاتی احساس لفظوں کو کچھ اس ترکیب سے مصرعوں میں ڈھالتا ہے کہ موضوع اور ہیئت کی دوئی باقی نہیں رہتی۔ میں نے یہ چیز غزلوں ہی میں نہیں بلکہ نظموں میں بھی جہاں تہاں محسوس کی ہے۔ آپ کی شاعری کے انتخاب پر دیباچہ میں نے ہی لکھا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی ارسال کروں گا۔

رسول حمزہ کا کلام میں پہلے بھی پڑھ چکا ہوں۔ نیز داغستان کے ذریعے صحیح معنوں میں اس سے تعارف ہوتا ہے خالد صاحب آپ تو شاعر کیا ہندوستانی دیومالا کے دیو معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کے ترجمے کیا ہیں؟ تخلیقی لمحوں کی بازآفرینی ہیں۔ یہ تاثرات و تجربات رسول حمزہ کے بجائے عبدالعزیز خالد کے اپنے معلوم ہوتے ہیں۔ ابوالکلام آزاد نے شبلی کے بارے میں کہا تھا کہ وہ پہلے یونانی ہیں جو ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ اصلاً اس سنسنی خیز جملے کا اطلاق آپ پر کیا جائے تو اس جملے کی توقیر بڑھ جائے۔ آپ میں یونانیوں کی جمال طرازی، ہندویوں کی علوئیتِ فکر اور عربوں کا آہنگ جلیل یکجا ہو گئے ہیں۔ اس قسم کی عظمتیں برسوں بلکہ صدیوں کے بعد کہیں کسی کو میسّر آتی ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے آپ کے کلام کا انتخاب کیا ہے۔

کیا آپ خود، چند باتیں اپنے انتخاب کے سلسلے میں لکھنا چاہیں گے؟
آپ اگر دو چار صفحوں پر مشتمل ایک مقدمہ بھیج سکیں تو نوازش ہو گی۔
دوستوں کی خدمت میں سلام خلوص!
بھابی اور بچوں کو سلام و دعا، بیگم بھی سلام کہتی ہیں۔
حفیظ صدیقی صاحب اور بیگم صدیقی کو بھی سلام کہیں۔

آپ کا
عتیق اللہ

نوائے وقت، جمعہ ۳، نومبر ۱۹۷۸ء

ایک خط

برادرم، السلام علیکم!

مزاج گرامی کل (بروز جمعہ ۲۰، اکتوبر) کے روزنامہ جسارت کراچی میں فیض احمد فیض کے ایک مصرعے کے متعلق میری "جستجو" کو جس انداز اور تمہید کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا، لب ولہجہ کے ذرا سے فرق سے بات کہاں سے کہاں جا پہنچتی ہے ع

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

وہ محض ایک بیانِ واقعہ تھا ع

مقصود اس سے قطع محبت نہ تھی مجھے

"سرقے" کا لفظ میری زبان پر تو کیا میرے ذہن میں بھی نہیں آیا، خیال کا توارد ہوتا رہتا ہے بلکہ غالب تو کہتا ہے

مبر گمانِ توارد یقیں شناس کہ دزد
متاعِ من ز نہاں خانۂ ازل بُرد است

شاعروں کے "شیطان" ملاءِ اعلیٰ کی سرگوشیاں سننے کی پاداش میں آگ کے کوڑے کھاتے رہتے ہیں۔ الفاظ و معانی اکثر بھیس بدل کر ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک زبان سے دوسری زبان میں سفر کرتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات مصرعے اور شعر بادی النظر میں ایک دوسرے کا لفظی ترجمہ یا چربہ نظر آتے ہیں۔ مگر عین ممکن ہے کہ شاعر کو احساس بھی نہ ہو اور دورانِ تحریر خیال و حرف ذہن کے کسی دور افتادہ، نادیدہ بھولے بسرے گوشے سے اُٹھ کر چپکے سے نوک قلم پر وارد ہو جائیں، نقاب پوشوں کی کوئی کیسے شناخت کرے یہ تو خدا کی ذات ہے کہ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ورنہ ہو مرتک اونگھ جاتے ہیں۔

ہر اک کے کوائف ہوں محقق کیسے؟
باتیں صادقؔ و کاذبؔ اے دل!

عدم صراحت میں بددیانتی یا کوشش اخفائے حال کا دخل نہیں ہوتا، خواب خرامی یا خواب کلامی کی طرح یہ ایک بے اختیاری فعل بھی ہو سکتا ہے جو تعزیرات کے دائرے میں نہیں آتا۔

ڈبلیو بی ییٹس کے مصرعے

This night bitten morn, this spotted light سے فیض کا مصرع یاد آیا۔ ع

یہ داغ داغ اجالا - یہ شب گزیدہ سحر!

خلیل جبران کے نام اس کی محبوبہ میری ہاسکل کے خط کی ایک سطر ہے

I feel like a river about to meet the sea

اسے پڑھ کر معاً ذہن میں احمد ندیم قاسمی کا مصرع ابھرتا ہے ؎

میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

اقبال کے مشہور شعر ؎

چہ باید مرد را طبع بلندے مشرب نابے
دل گرمے، نگاہِ پاک بینے جان بیتابے

کا پہلا مصرع نظیری صاحب کا ہے۔ روانی میں اقبال کو یاد نہیں رہا۔

جبران کا قول ہے

But you can't build without tearing down

جبران غالباً رومی کے اس شعر سے واقف بھی نہیں تھا ۔

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

ایسی لاتعداد مثالیں دی جاسکتی ہیں خود میرے ہاں دانستہ ، نادانستہ ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی، میرا اشارہ صرف لفظ و معنی کے رُوپ بہروپ اور ان کے غیاب و حضور کی طرف تھا کہ اجتماعی لاشعور ذہن کے پردے پر کیسے رنگارنگ نقش دکھاتا ہے ، غیب و شہود کے مظاہر کتنے گوناگوں ، کتنے عجیب و غریب ، کتنے پُر اسرار اور کتنے حیران کن ہوتے ہیں۔ طیورِ آوارہ جس شاخ کو چاہیں اپنا آشیانہ بنالیں۔

اربابِ تخلیق کے درمیان غیر محسوس طور پر مستقلاً ایک لین دین ، ایک ڈائلاگ ہوتا رہتا ہے ۔ سروشِ غیب کی سرگوشیاں کسی فردِ واحد تک محدود نہیں ۔ اسے افشائے راز میں مزہ آتا ہے اس تصریح سے کسی کی تنقیص یا دلآزاری مراد نہ تھی۔

والسّلام

مخلص

خالد